ISSN-L 2702-1858
PRINT ISSN 2702-1858
ONLINE ISSN 2702-1378

سہ ماہی

آثار

مجلہ
برائے
آثاریاتی تاریخی مطالعہ

شمارہ۱جلد۲ (جنوری تا مارچ)۲۰۲۱ء

یکے از مطبوعات اساس

ISSN-L 2702-1858
PRINT ISSN 2702-1858
ONLINE ISSN 2702-1378

سہ ماہی

آثار

مجلہ
برائے
آثاریاتی تاریخی مطالعہ

شمارہ۱جلد۲ (جنوری تا مارچ)۲۰۲۱ء

Archaeological Study of Ancient Societies
ASAS

یکے از مطبوعات اساس

آثار (مجلہ برائے آثاریاتی تاریخی مطالعہ)، اساس قریے اور راہیں تحقیقی محرک (روڈز اینڈ ریلیجنز ریسرچ انیشیٹو) کے تحت شائع ہونے والا انجمن برائےآثاریاتی مطالعہ(اساس) کا علمی وتحقیقی مجلہ ہے۔ یہ ایک غیر تجارتی مجلہ ہے جس میں شائع ہونے والی ماہرین سے نظرِ ثانی شدہ تمام تحریرات بشمول ہر قسم کے خاکوں, تصویری اور نقشہ جاتی مواد اور معلومات محض ادارہ اساس کی ملکیت ہیں جو تحریر, مواد ،حالت اور ہیت میں تبدیلی کئے بغیر اور مجلہ هذا اور تحریر کنندہ / کنندگان کا مکمل حوالہ دے کرہی استعمال کئے جاسکتے ہیں(سوائے اس کے کہ کسی تحریر یا دیگر مواد کے بارے میں الگ سے نشاندہی کر دی جائے)۔ مجلہ برائے آثاریاتی تاریخی مطالعہ (آثار) کی جملہ انتظامیہ بشمول مدیران، مجلہ میں شائع ہونے والے تحقیقی کام کے مصنفین،محققین یاان کے معاونین اور شریک مصنفین کی تحقیق، افکار و خیالات اور تحقیقی نتائج کے ہرگز ذمہ دار نہیں۔تحریرات اور مواد کے اشاعتی حقوق پورے کرنا اور اس ضمن میں علمی سرقہ سے اجتناب صرف اور صرف تحریر کنندہ کی ذمہ داری ہے نہ کہ مجلہ کی انتظامیہ کی اور اس ضمن میں ادارہ سے کوئی بھی شکایت ہرگز قابلِ قبول نہ ہوگی۔ کسی بھی نوعیت کےمروجہ قوانین یا علمی قواعد و اخلاقیات کی خلاف ورزی کا واحد ذمہ دار مصنف /تحریر نگار خود ہوگا۔

JAHS (Journal of Archaeohistorical Studies or آثار) is a research organ of Association for the Archaeological Study of Ancient Societies (*ASAS*), published under the auspices of Roads and Religions Research Initiative. All peer-reviewed material, written or visual, including all types of sketches, illustrations, maps, and information is the sole property of the *ASAS* and may be used without modification of the text, materials, and content and with full reference to the magazine and the author/s(Unless otherwise stated). The entire management of *ASAS* including the editorial team of the *Journal of Archaeohistorical Studies* is not responsible for the ideas, research, and research findings of the authors, researchers, or their assistants or co-authors published in *JAHS (AAsAAr)*. It is the Author's responsibility to ensure that the submitted content is original. Any violation in this regard will be considered the author's misconduct. The author/s will be solely responsible for any violation of the prevailing laws, accepted scientific norms, or ethics, and *JAHS* or *ASAS* management could not be held responsible before any court of law or any other forum or body.

Published in 2020 by *ASAS* Roads and Religions Research Initiative for Association for the Archaeological Studies of Ancient Societies, Punjab Pakistan.

JAHS (آثار)
Journal of Archaeohistorical Studies
ISSN-L 2702-1858
PRINT ISSN 2702-1858
ONLINE ISSN 2702-1378
Volume 1, Issue 2 | November 2020
Published for *ASAS* by (Dilawar Hussain)
Im Kirchacker 9 76879 Hochstadt Rheinland-Pfalz Germany
Print by *ASAS*
For inquiries please contact: Muzaffar Ahmad, Executive Editor
archaeohistorian@gmail.com
executiveeditor@aasaar.org
Journal e-mail: editor@aasaar.org
Web: www.aasaar.org , www.roadsandreligions.org
Legal Advisor: Nasir Zaman Chaudhry

This is an open-access journal. Any original, previously unpublished content is licensed under the Creative Commons Attribution 4.0 International License.
To view a copy of this license, please visit creativecommons.org/licenses/by/4.0.

CC BY SA

OPEN ACCESS

اساس قریے اور راہیں (اقرا) تحقیقی محرک

اساس ماہرین آثاریات کا تحقیقی فورم ہے جو ۲۰۱۲ء سے علمِ آثاریات اور اس کی تدریس و تحقیق میں بنیادی تصوراتی تبدیلیوں کے لئے اپنا کردار عملی اقدامات اور درست تصورات متعارف کروا کر ادا کر رہا ہے۔ اساس کے عملی منصوبہ جات کا مقصد محدود پیمانے پر آثاریاتی ماہرین، اساتذہ اور طلباء کی سوچ میں ایک مفیدتبدیلی پیدا کرنا ، اس پر محدود پیمانے پر عملدرآمد کرکے دکھانا، درست مشاورت مہیا کرنا، بنیادی آثاریاتی عملی ہنر سکھانا اور اس کے لئے ممکنہ سہولیات مہیا کرنا ہے۔ اساس کے حاصل شدہ اہداف کی ایک طویل فہرست میں متعدد ورکشاپس کا انعقاد، عملی آثاریاتی ٹریننگ مہیا کرنا ،آلات اور اوزاروں کی فراہمی، بنیادی عملی آثاریاتی لائحہ عمل (فیلڈ مینول) کی اشاعت اور ملکی سطح پر ایک آرکیالوجِکل ایسوسی ایشن کا تحریری تصور پیش کرنا وغیرہ شامل ہیں۔ حالیہ برسوں میں اساس کے فورم نے پاکستانی آثاریات میں انگریزی میں تحقیق نگاری کی پابندی کو چیلنج کیا ہے۔ نوآموزپاکستانی ماہرینِ آثاریات کی ایک بڑی تعداد کے ذہن میں جو کچھ چلتا ہے اس کے فصاحت اور درستگی سےضابطۂ تحریر میں نہ آسکنے میں انگریزی نویسی کا بنیادی کردار ہے۔ اساس کا ماننا ہے کہ آثاریات کاانگریزی سے کوئی بھی تعلق نہیں۔ اس نظریہ کے تحت اردو میں آثاریاتی تحقیق نگاری کا کامیاب آغاز کر دیا گیا ہے۔ انگریزی میں لکھنا بہت اچھی بات ہے اور جملہ پاکستانی قومی زبانوں میں لکھنا اور بھی اچھی بات۔

گذشتہ اہداف کے مفید پہلوؤں کو سمیٹ کر یکجا کرنے اور اردو آثار نویسی کے فروغ کےلئے گذشتہ برس اساس کےپلیٹ فارم سے *ASAS Roads and Religions Research Initiative* یا ***اساس قریے اور راہیں تحقیقی محرک*** کے جامع منصوبہ کی صورت میں ایک دور رس نتائج کا حامل اور مختصر الاہداف منصوبہ پیش کیا گیاہے۔ زمانہ قبل از تاریخ سے ہی قدیم انسانی بستیاں، ان کو ملاتے راستے ، ان کی راہوں پر سرگرداں انسان ، ان میں بستے لوگ اور ان میں فروغ پاتی متنوع مذہبی تمدنی سرگرمیاں آثارِ قدیمہ، تاریخ، موازنہ مذاہب اور مذہبی آثارپاتی سیاحت کے جدید تصورات کی اساس ہیں۔ ماہرینِ آثاریات پر ان کو درست طریق پر برآمد کرنا، سمجھنا، تحقیق کے عمل سے گزارنا اور تحقیقی نتائج کی اشاعت لازم ہے۔ اس مقصد کے حصول کے لئےاساس آثاریاتی فورم کے تحت ایک ورثہ گھر (ہیریٹیج سنٹر) ایک ویب اور ایک تحقیقی جریدے کااجرا ءکیا جارہا ہے۔ **آثار (مجلہ برائے آثاریاتی تاریخی مطالعہ)** کا یہ پہلا شمارہ اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔

آثار غیر تجارتی بنیادوں پر جاری ہونے والاپہلا آثاریاتی تاریخی جریدہ ہے جس میں آثاریاتی تاریخی تحقیق اور دیگرمتعلقہ علوم پر تحریر کی جانے والی تحقیقات بھی شائع کی جائیں گی۔ اساس کا ادارہ اس ضمن میں سب ماہرینِ آثاریات سے تعاون کا خواستگار ہے۔ اساس کے نظریہ کے مطابق منظور شدہ جرنل کی منزل تک پہنچنے کی چند برسوں سے جاری دوڑ میں شامل ہونا اس جریدے کے لئےضروری نہیں۔ کیونکہ یہ جدّت صرف پاکستان اور بھارت میں وجود رکھتی ہے۔ ہاں اس جریدے کا معیار منظور شدہ جریدوں کے برابر اور ان میں سے بہت سوں سے بہتر ہو یہ ہمارے لئے ازحد ضروری ہے۔ اس علمی جریدے میں مضامین آثاریات اور تاریخ کے ماہرین کی نظرِ ثانی کے بعد شائع کئے جاتے ہیں۔ اور علمی اشاعت کے بین الاقوامی معیار کی ممکنہ حدّ تک پاسداری بھی کی جاتی ہے۔ (ادارہ)

باختر اور ہند کے یونانیوں کے یونان اور مغرب سے ثقافتی تعلقات

Cultural Relations of Bactrian and Indus Greeks with West

مظفر احمد

Muzaffar Ahmad

ARTICLE INFO

Keywords:
Bactria
Hindus
Indus
Greeks
Archaeology

ABSTRACT

Apart from a handful of references in Greek and Latin historical sources, the written history of Greeks of Bactria and Hindus (Indus Valley) is still wanting. This absence of written historical sources is the main obstacle in understanding the nature and scope of their cultural connectivity with the West, particularly Greece and her colonies. This lacuna cannot be filled with the help of Bactrian or Hindusian Greeks' coinage alone. Archaeological discoveries, when combined with available historical references can answer this waxed question to some extent as well.

اقتباس: یونانی اور لاطینی تاریخی ماخذوں میں چند ایک اقتباسات سے قطع نظر، باختر اور ہندوس (وادئ سندھ) کے یونانیوں کی تاریخ تحریری شکل میں اب تک دستیاب نہیں ہوسکی۔ تاریخی مأخذوں کی غیر موجودگی ان مشرقی یونانیوں کے اپنے دور کی مغربی دنیا اور بالخصوص یونان اور اس کی نوآبادیوں سے تعلقات کی نوعیت اور وسعت کو سمجھنے میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔ اس خلاء کو ان یونانیوں کے حکمرانوں کے سکوں اور چند ایک کتبوں سے پُر نہیں کیا جاسکتا لیکن آثاریاتی دریافتوں کو دستیاب تاریخی حوالہ جات کے ساتھ رکھ کر کسی حد تک اس سوال کا جواب دیا جاسکتا ہے۔

کلیدی الفاظ:
باختر
ہندوس
وادئ سندھ
یونانی
آثاریات

پاکستان، بھارت، افغانستان، ازبکستان، تاجیکستان، ترکمانستان اور بحیرہ قزوین کے جنوب مشرقی ساحلی علاقوں کی تاریخ کا ایک اہم سوال ابھی تک حل طلب ہے۔ سوال یہ ہے کہ ان جغرافیائی حدود میں قدیم زمانے میں آباد یونانی جو باختر سے اور بعد ازاں ہندوس (وادئ سندھ) سے مختلف اوقات میں مختلف علاقوں پر حکومت کرتے رہے، مغرب اور اپنے آبائی وطنوں یعنی یونان اور بحیرۂ اسود کی یونانی نوآبادیوں سے کس قسم کے ثقافتی، تجارتی اور مذہبی تعلقات استوار رکھے ہوئے تھے؟ ماضی میں اس سوال کی طرف زیادہ توجہ نہیں کی گئی۔ یہ فرض کرلیا گیا کہ پارتھیا کے یونانی سلیوکیوں سے آزادی حاصل کرنے اور باختر کی یونانی سلطنت سے اس کے بحیرہ قزوین کے ساحلی علاقے چھیننے کے بعد یہ مشرقی یونانی باقی یونانی دنیا سے کٹ کر رہ گئے اور ان کی آئندہ نسلوں کا باقی یونانی دنیا سے کوئی رابطہ باقی نہ رہا۔ یہ بات اتنی سادہ نہیں جتنی بادئ النظر میں دکھائی دیتی ہے اور اس کا جائزہ ممکنہ حد تک گہرائی کے ساتھ لینے کی ضرورت ہے۔ کیا جب پارتھیا کی غیر یونانی سلطنت بحیرہ اسود اور بحیرہ روم کے سواحل، میسوپتامیہ، شام و فلسطین، اناطولیہ ،مصر، مشرقی یورپ اور یونان خاص کی یونانی آبادیوں اور باختر وہندوس کے یونانیوں کے درمیان حائل ہوگئی۔ اور کیا جب بحیرۂ قزوین سے متصل باختری یونانی علاقے پارتھیا نے باختر کی سلطنت سے چھین لئے تو کیا ان مشرقی یونانیوں تک ''یونانیت'' اور مغربیت کی ہمہ جہت ترسیل چاہے وہ مادی ہو یا غیر مادی، رک گئی؟ یہ ایک اہم سوال ہے جس کا جواب اس مضمون میں کسی حد تک تلاش کرنے کی کوشش کی جائے گی۔

پارتھیوں کی فتوحات کے نتیجے میں سیاسی طور پر پہلے سے تقسیم لیکن ثقافتی طور پر متحد دو حصوں میں بٹ جانے والے یونانیوں کے سیاسی حالات اگرچہ یکسر تبدیل ہو کر رہ گئے اور مشرقی یونانیوں کے تجارتی مفادات کو بالخصوص سخت زکّ پہنچی لیکن علمی، مذہبی اور ثقافتی تعلقات کی طلب ورسد پر پارتھیا کے حائل ہونے کا کوئی خاص ثبوت موجود نہیں ہے۔ پارتھی اپنے یونانی شہریوں کے ساتھ ہنسی خوشی رہتے تھے ۔ متھراڈیٹس اول (۱۷۱ تا ۱۳۸ ق م) اور اس کے جانشینوں نے تو 'Philhellenic' کا خطاب بھی اختیار کر رکھا تھا یعنی ''یونانی دوست''۔ شمالی ایران میں پارتھی اوران کے عقب میں شمالی گھاس کے میدانوں کے متمدن خانہ بدوش ساکے دونوں یونانی تمدن میں رنگے ہوئے تھے، یونانی پڑھتے لکھتے تھے اور ہر رنگ میں اتنے ہی یونانیت زدہ تھے جتنی ان کے اردگرد کی متمدن غیر یونانی اقوام۔ اس تحقیقی مضمون میں آثاریاتی تاریخی شہادت کی رو سے جائزہ لیا گیا ہے کہ:

(ا) باختری مقبوضات کے یونانیوں نے مغرب سے کیسے تعلقات رکھے اور پارتھی سلطنت کے قیام نے ان تعلقات کو کیا نئی شکل دی؟

اور

(ب) باختر کے یونانیوں کے پارتھیائی سلطنت کے قیام کے بعد ہندوس اور گندھارا کی طرف متوجہ ہونے میں اس تبدیلی کا کتنا دخل تھا جو پارتھی سلطنت کے ان کے اور یونانی نوآبادیات اور یونان اور مغرب کے درمیان آبیٹھنے سے واقع ہوئی تھی؟

باختر کی سلطنت کے مغرب میں واقع خِطوں کے بارے میں کچھ معلومات ہمیں آئی خانم کی کھدائیوں سے حاصل ہوئی ہیں۔ آئی خانم کی کھدائی نے جہاں باختر کے یونانیوں کی سیاسی، سماجی، مذہبی، ادبی اور تجارتی و معاشی سرگرمیوں پر روشنی ڈالی ہے وہاں ان یونانیوں کے بین الاقوامی تعلقات کے کئی پہلو بھی سامنے آئے ہیں۔ مثلاً آئی خانم کے محل کے توشہ خانے سے بڑی تعداد میں یونانی صراحیاں (ایمفورائے) ملی ہیں جو زیتون کے تیل کی ان مشرقی یونانیوں کے آبائی علاقوں سے باختر کی یونانی سلطنت کے قیام کے کئی دہائیوں بعد درآمد کئے جانے کی نشاندہی کرتی ہیں۔ یہ اور اس قسم کی تفاصیل آگے بیان کی جائیں گی لیکن سردست یہ ضروری ہے کہ جنوبی ایشیا کے ان نوآبادکار یونانیوں کے بین الاقوامی تعلقات کی وسعت کا کچھ اندازہ ان کے سکوں کے پھیلاؤ کی وسعت سے لگانے کی کوشش کی جائے۔

مغرب میں باختری ہندی یونانیوں کے سکوں کا پھیلاؤ

باختر کے یونانی بادشاہوں یوتھی ڈیمس اول و دوم، یوکراڈیٹس اول و دوم اور ہیلیوکلیس کے سکے میسوپٹامیہ، شام میں حمص، حماۃ اور طرسوس کے قدیم شہروں کے عین درمیان میں واقع بارین، ایران میں سوسا اور آذربائیجان میں کبالا کے دفینے میں ملے ہیں۔ سکوں کا یہ پھیلاؤ نشاندہی کرتا ہے کہ مغرب سے تجارتی اور دیگر تعلقات کے لئے یونانی باختر اور اس کے دریائے سندھ پار کے ہندوسی مقبوضات بشمول آراکوشیا وغیرہ کے درمیان آمدورفت یوتھی ڈیمس اول سے لے کر ہیلیوکلیس کے دور تک زیادہ رہی۔ یعنی تقریباً ۲۳۰ق م سے لے کر ۱۳۰ ق م تک تقریباً ایک صدی۔ سکوں کے پھیلاؤ کا یہ نقشہ بتاتا ہے کہ اس ایک صدی کے دوران باختر کے یونانی آبادکاروں اور ان کے مادر یا سابقہ ہمسایہ مغربی سماجوں کے درمیان زیادہ تر آمدورفت سوس کے راستے بابل، کبالا کے راستے بحیرہ اسود کی یونانی نوآبادیوں اور طرسوس کے راستے یونان اور مصر کی طرف ہوتی تھی۔ یونانی باختری سلطنت میں مغرب کی طرف سے آنے والے سکے زیادہ تر سلیوکی ہیں اور انطاکس سوم کے دور تک کے ہیں یعنی ۱۸۷ق م تک کے۔ یا سکندر مقدونی کے وہ یادگاری سکے ہیں جو اس کے بعد جاری کئے گئے اور وقتاً فوقتاً شام اور فونیشیا کی ٹکسالوں سے نکلتے رہے۔ ہر دو اطراف سے جانے اور آنے والے سکے یونانی باختر اور اس دور کے مغربی سماجوں کے درمیان سرگرم روابط کا پتہ دیتے ہیں۔ ۱۸۷ق م کے بعد سلیوکی یونانی سکوں کی یونانی باختری علاقوں میں نایابی کی وجہ ۱۸۶ق م کی رومی سلیوکی جنگ میں انطاکس سوم کی شکست فاش ہے جس کے بعد رومیوں نے ایک معاہدے کی رو سے دریائے سندھ پار کے تین سلیوکی ہندوسی صوبے مگنیسا کے یونانی بادشاہ کے توسط سے باختر کے یونانی حکمرانوں کو دلوا دیئے۔ اس معاہدے کے مضمرات کی گونج بائبل میں مکابیوں کی کتاب میں بھی سنائی دیتی ہے اور آئی خانم سے ملنے والی ایک رسید میں بھی جس میں باختری کے یونانی بادشاہ اندروماخس تھیوس، اندروماخس (دوم ؟) اور مگنیسا کے بادشاہ کے شریک بادشاہ ہونے کا ذکر ہے۔

شمالی گھاس کے میدانوں کا راستہ

باختری سکے صرف بحیرہ اسود کے جنوب سے ہی برآمد نہیں ہوئے بلکہ اس سمندر کے عقب سے شمال کے گھاس کے میدانوں اور اس سمندر کے شمالی ساحلوں کے درمیان سے ہو کر جو نیم ہموار راستہ چین اور مانچوریا کے انتہائی ساحلوں سے فرانس اور بیلجیئم تک جاتا ہے اس پر بھی مغرب کی طرف آذربائی جان، جارجیا اور اوپر بحیرہ یورال پر دریائے وولگا کے ڈیلٹا میں باختری ہندی یونانیوں کے سکوں اور مصنوعات کی دریافت کا ایک سلسلہ مشروع ہوتا ہے جو یوکرائین اور پولینڈ تک جاتا ہے۔ بحیرہ جاپان اور بحر اوقیانوس کے ساحلوں کے درمیان کا یہ میدانی اور تقریباً ویران راستہ ہزارہا برس سے ہر قسم کے مقاصد کے لئے سفر کرنے والوں کے لئے ایک ڈائریکٹ شاہراہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ شاہراہ جو اپنے ذیلی راستوں کے ساتھ انیسویں صدی تک مستعمل رہی اور جسے چین پھر سے زندہ کر رہا ہے باختر کے یونانی مقبوضات کے عین اوپری علاقوں سے ہوتی ہوئی ترکمانستان کے انتہائی شمال سے گزرتی تھی جہاں بحیرہ قزوین کے جنوب مشرقی ساحلوں کے باختری مقبوضات سے گزرتا ہوا ایک راستہ اس میں آن ملتا تھا۔ اس طرح باختری مقبوضات میں سے ہو کر ہرات کی جانب سے آتا ہوا ایک راستہ قدیم گزک سے ہوتا ہوا اسی عظیم شاہراہ میں آملتا تھا جبکہ ان یونانی باختری مقبوضات سے بحیرہ قزوین کے پانیوں کو عبور کرکے ایک راستہ آذربائیجان میں داخل ہوتا تھا اور مغرب کی سمت بہتے مرکزی دریا میں یا اس کے کناروں کے ساتھ سفر کرکے بحیرہ اسود تک جا پہنچتا تھا۔ ان راستوں کے اہم مقامات سے یونانی باختریوں کے سکوں کی دریافت کم از کم اندروماخس کے دور تک یونانی باختریوں کے مغرب سے سرگرم

بری اور بحری رابطوں کا ثبوت ہے جس کا تسلسل کم ہوتے ہوتے بھی ہیلیو کلیس کے دور تک موجود رہا۔ ہندوستان کے قدیم ادبی و تاریخی ماخذوں میں بھی مغرب اور بالخصوص یونان اور یونانی نوآبادیوں کے ساتھ کئی قسم کے روابط کا پتہ چلتا ہے۔ ان ماخذوں میں سب سے زیادہ تذکرہ یونانی کنیزوں کی درآمد کا ہے۔ امکان ہے کہ اس قسم کی تجارت ہخامنشی دور سے جاری تھی اور کم از کم دوسری صدی عیسوی تک جاری رہی۔ اس بارے میں تفصیل اس مضمون میں آگے چل کر آئے گی۔

باختر کے یونانیوں کی مغربی تجارت

تیسری اور دوسری صدی ق م میں بحری تجارت اتنی عام نہیں تھی اور خشکی کا بڑا راستہ پاٹلی پترا سے شروع ہو کر، گنگا کی وادی اور پنجاب کو قطع کرتا ہوا ٹیکسلا اور پشکلاوتی کے راستے یونانی دینا میں داخل ہوتا تھا۔ Alexandria ad Caucasum یعنی کاپیسا یا بگرام سے گزر کر یہ راستہ باختر میں سے ہو کر Hecatompylos اور پھر ہمدان (اکتابانا) اور نصیبین پہنچتا تھا جہاں سے انطاکیہ اور ایشیائے کوچک تک بھی پہنچ جاتا تھا۔ بگرام سے ہی ایک دوسرا راستہ جنوب کی طرف مڑ کر آراکوشیا کو عبور کر کے دوبارہ آریا (ہرات) کے بڑے راستے سے جاملتا تھا۔ ہر منزل پر ٹھہرنے کی جگہ موجود تھی۔ ایسی ایک عمارت آمو دریا پر ترمذ کے مقام سے ملی ہے۔ برنارڈ نے خود ساختہ فیصلہ سنا دیا ہے کہ باختر سے کیسپیئین کے راستے کوئی بھی تجارت نہیں تھی بلکہ بحیرہ اسود کے علاقوں البانیا اور آئیبیریا اور آگے باختری سامان کی ترسیل صرف ہمدان کے راستے سے ہی ہو سکتی تھی۔ اور اس طرح اس نے ٹارن کے حق میں فیصلہ صادر کر دیا ہے (Tarn, 1951, pp. 486–90. 94)۔ یہ زبردستی کی رائے سازی معلوم ہوتی ہے کیونکہ جنوبی باختر میں تلیا ٹیپے کے شاہی مقابر میں شمالی گھاس کے میدانوں کے یونانیت زدہ آرٹ کے نمونے ملے ہیں جو سونے کے جڑاؤ زیورات کی شکل میں ہیں۔

باختر کے یونانی تاجر یونانی، شمالی گھاس کے میدانوں کے راستے پر

اگرچہ چین سے انگلستان اور سویڈن جانے والے گھاس کے میدانوں کے اس راستے کو شاہراہِ ریشم اور میدانی سڑک (Steppe road) اور نہ جانے کیا کیا کہا جاتا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ اسے قدیم تاریخی دور کی متمدّن دنیا کی پچھلی گلی کہنا زیادہ مناسب ہے۔ اگر ہم اسے بین الاقوامی سمگلنگ کا قدیم ترین چور راستہ نہ بھی کہیں تو کم از کم اسے the steppe back road کہے بغیر گزارہ نہیں۔ اس دلچسپ امکان کے بارے میں زیادہ اس لئے نہیں لکھا گیا کیونکہ ماہرین آثاریات و قدیم سیاحتی لٹریچر کی توجہ سامانِ تجارت، منڈیوں اور طریق سفر میں زیادہ الجھی رہی ہے اور اس راستے کے استعمال کے محرّکات کی طرف کم ہی مبذول ہوئی ہے۔

جیسا کہ اس مضمون کے شروع میں لکھا گیا ہے کہ ہرات۔ انطاکیہ یا آراکوشیا ۔سوسا۔ ۔بابل شاہراہ پر محصول اور سیاسی تحائف اس قدر دینے پڑتے تھے کہ سامانِ تجارت کی قیمت بہت بڑھ جاتی تھی۔ پھر ہر شہری ریاست یا بعض صورتوں میں سلطنت کے بادشاہ یا شہنشاہ کے سامنے سب کچھ ڈھیر کرنا پڑتا تھا اور جو کچھ وہ قیمتاً عطا کرتا اس پر اکتفا کرنا پڑتا تھا۔ پھر دھاتیں اور وہ سامان جو دشمن یا ہمسایہ ملک کے لئے مناسب نہ سمجھا جاتا وہ بھی ان مصروف راستوں پر منزل تک نہیں پہنچ سکتا تھا۔ نئی فوجی بھرتی اور جنگ کے قابل غلام بھی یہاں سے نہیں گزارے جاسکتے تھے۔ ایسے میں بحیرۂ جاپان اور بحر اوقیانوس کے درمیان پھیلے راستے پر قبائلی خاقانوں کو تحائف دے دلا کر کچھ بھی راستے میں پڑنے والی بڑی سلطنتوں کے عقب سے نکال کر لے جایا جاسکتا تھا۔ یہ حقیقت متعدد قبائلی خانوں کے ان تدفینی خزائن سے آشکار ہوتی ہے جو سائبیریا سے لے کر پولینڈ تک جابجا دستیاب ہوئے ہیں۔ ان خزانوں میں وہ تمام لوٹ کا مال، رشوتیں اور نذرانے شامل ہیں جو یہ قبائلی سربراہ تاجروں کی راہداری اور مال کی گزرداری کے عوض ادھر سے اُدھر اور اُدھر سے ادھر آنے جانے والوں سے وصول کیا کرتے تھے۔ اور ان خزانوں میں دلچسپ ترین اشیا کی فہرست میں یونانی باختری ساخت یا صنعت کے چاندی کے جنگی سینہ بند بھی شامل ہیں۔ ان باختری یونانی مصنوعات کی ساکا خوانین کے خزانوں میں موجودگی باختری یونانی سلطنت کے طول و عرض سے سامانِ تجارت کی اس عقبی سڑک کے راستے نقل و حمل کا ثبوت ہے۔ باختری یونانی سلطنت میں شمالی افغانستان، ترکمانستان، تاجکستان اور ازبکستان کا متعد بہ حصہ شامل تھا۔

باختری یونانی شہر آئی خانم اور وہاں سے دستیاب ہونے والے قدیم آثار کی یونانیت اعلیٰ درجہ کی ہے اور یہاں سے باقی یونانی نوآبادیوں کی مصنوعات بھی ملی ہیں۔ ان سب کی موجودگی میں اس رسمی رائے کی کوئی اہمیت باقی نہیں رہ گئی کہ باختر باقی یونانی دنیا کی آبادیوں اور نوآبادیوں سے کٹا ہوا ایک یونانی علاقہ تھا۔ آج حقیقت یہ نظر آرہی ہے کہ باختر کے یونانیوں اور بعد ازاں ہندوسی یونانیوں کے یونان اور شمالی یونانی نوآبادیوں سے ہر قسم کے مراسم قائم تھے اور ان میں وہ یونانی نوآبادیاں بھی شامل تھیں جو چھٹی ساتویں صدی قبل مسیح سے آج کے دن تک بحیرہ اسود کے ساحلوں پر آباد ہیں اور یہاں یونانی زبان اب بھی کہیں کہیں قدیم لہجوں میں بولی جاتی ہے۔ باختر کے یونانی ہوں یا ہندوسی یونانی، وہ شامی سلیوکی سلطنت سے جو ایران سے بحیرہ روم تک پھیلی ہوئی تھی گزر کر یونان نہیں جاتے تھے۔ بلکہ یونان سے ان کے برادرانہ ثقافتی مراسم بحیرہ اسود کی یونانی نوآبادیوں کے راستے اور بعد میں مصر کے ذریعہ قائم تھے۔

بحیرہ قزوین کا راستہ

اس مقصد کے حصول کے لئے باختر کے یونانی بحیرہ قزوین اور بحیرہ اسود کے شمالی ساحلوں کے پرے واقع گھاس کے میدانوں کا زمینی راستہ بھی استعمال کرتے تھے جہاں سے وہ بحیرہ اسود کے مغربی ساحلوں کے ساتھ ساتھ ہوتے ہوئے مقدونیہ تک پہنچ سکتے تھے۔ ایک دوسرے مختصر راستے کے ذریعہ وہ بلخ آب اور آمو دریا کے راستے، آمو کی اب خشک پڑی ایک شاخ "اوزبے" میں سے گزرتے ہوئے براہ راست بحیرہ قزوین، یا پھر دریائے آمو سے اتر کر خشکی کے راستے بحیرہ قزوین پہنچتے تھے۔ یہاں سے وہ بحری راستے سے ہوتے ہوئے دریائے کورا کی وادی میں زمینی سفر کرتے ہوئے بحیرہ اسود کی مشرقی اور جنوبی مشرقی ساحلی یونانی آبادیوں کی منڈیوں تک جا پہنچتے۔ Elena A. Tsvetsinskaya اور ان کے ساتھیوں نے An integrated assessment of landscape evolution, long-term climate variability, and land use in the Amudarya Prisarykamysh delta نامی سائنسی تحقیقی مضمون میں جو ۲۰۰۲ء میں شائع ہوا، آمو کی اس قدیم گزر گاہ کی بازیافت اور نقشہ کشی کی ہے (نقشہ ۱)۔

یہاں سے ایک راستہ ان کو ڈینیوب میں یا اس کے جنوبی کنارے کے ساتھ ساتھ دریائے رائن میں یا اس کے جنوبی کناروں کے توسط سے مغربی یورپ کے انتہائی مغربی کناروں تک لے جاتا تھا جبکہ ایک دوسرا راستہ انہیں مشرقی یورپ اور یونان تک لے جاتا تھا۔ ہندوستان سے وہ راستہ جسے فوشے نے ''vieille route de l'Inde'' لکھا ہے (Foucher 13-53) تکشاسیلا سے اودابھنڈاپورا، پشکلاوتی، کاپیسا اور بامیان سے ہوتا ہوا باختر پہنچتا تھا۔ دریائے آمو کی جو شاخ سترھویں صدی تک وقفے وقفے سے بحیرہ قزوین میں گرتی رہی ہے اسے Uzboy دریا کہتے ہیں۔ اس دریا کے راستے یا پھر خشکی کے راستے سامان بحیرہ قزوین تک پہنچایا جاتا تھا جہاں سے اس کی آگے بحری راستے سے ترسیل ہوتی تھی۔

نقشہ ۱۔ دریائے سندھ سے دریائے کابل، دریائے بلخاب اور دریائے آمو کے پانیوں میں سے اور کناروں پر سے ہو کر بحیرہ قزوین کا راستہ۔ (اخذ شدہ از Tsvetsinskaya اور دیگر ۲۰۰۲ء)

گزشتہ دو صدیوں میں باختری یونانیوں پر جو بھی تحقیقی کام ہوا ہے اس میں ان حقائق کو نظر انداز کیا گیا ہے۔ حال ہی میں Pierre Schneider نے ثانی الذکر بحری راستے یعنی بحیرہ اسود (Euxine) اور جنوبی ایشیا کو ملانے والے راستے کے بارے میں عالمانہ سرفِ نظر کو محسوس کیا ہے۔ انہوں نے اس بارے میں یونانی، رومی اور بازنطینی تحریرات کا یکجائی جائزہ لے کر اسے کچھ آثاریاتی شہادت کی روشنی میں جانچا ہے اور نتیجہ اخذ کیا ہے کہ یہ ہزار سالہ راستہ روم کے شمالی حصوں کو اسی طرح ہندوستانی سامان پہنچاتا رہا جس طرح مشرقی راستہ انطاکیہ اور اسکندریہ مصر کو ہندوستانی مصنوعات کی رسائی کا باعث تھا۔ یہ تمام مواد ان کے تحقیقی مضمون From India to the Black Sea: an overlooked trade route? میں جو ۲۰۱۷ء میں اشاعت کے لئے تیار ہوا دیکھا جا سکتا ہے۔

سٹرابو نے ۲۸۵ ق م اور بعد کے دو اور ماٰخذوں کی روشنی میں بیان کیا ہے کہ ہندوستان سے ہرقانیا کے سمندر (بحیرہ قزوین) تک بڑی تعداد میں برتن دریائے آمو کے ذریعہ لے جائے جاتے تھے جہاں سے آگے وہ البانیا (Kyros دریا کی وادی یعنی آذربائیجان) تک لے جائے جاتے تھے۔ اور آذربائیجان سے آگے کے علاقے سے ہو کر بحیرہ اسود پہنچتے تھے۔ سٹرابو کا ایک ماٰخذ Patrocles ہے جسے انطاکس اوّل نے باختر کا گورنر مقرر کیا تھا (Strabo, 11, 7, 3)۔ سٹرابو نے باختر سے بحیرہ قزوین کے رستے پر بھی بات کی ہے اور Amisos سے Kolchis کے راستے باختر جانے والے راستے کا ذکر کیا ہے (Strabo, 2, 1, 11)۔ سٹرابو (Strabo, 11, 2, 17) نے مزید لکھا ہے کہ Phasis (موجودہ Rioni) میں Sarapana تک بحری سفر ہوتا ہے جو اتنی بڑی فصیل میں گھرا ہوا ہے جس میں ایک پورا شہر سما سکتا ہے۔ یہاں سے Kyros تک چار دن کا زمینی سفر ہے اور اس سڑک پر چھکڑے چلتے ہیں۔ Phasis پر ایک شہر واقع ہے جو اس کا ہم نام ہے یہ Colchi کی منڈی ہے جس کی حفاظت ایک طرف سے دریا، دوسری طرف سے ایک جھیل اور تیسری طرف سے سمندر کرتا ہے۔ یہاں سے لوگ Amisos اور Sinopê کی طرف بحری سفر کرتے ہیں (Strabo, 11, 2, 17)۔ پلینی ایلڈر کے بیان کے مطابق جو اس نے Varro سے جو تیسری متھراڈاٹک جنگ میں متحرک تھا نقل کیا ہے، رومی جرنیل پومپی کی قیادت میں جو کھوج کی گئی اس سے معلوم ہوا کہ ہندوستان سے سات دن کی مسافت طے کر کے باختر کے علاقے میں دریائے باختر (Bactrus) پر پہنچا جاتا ہے جو آمو دریا (Oxus) کا ایک معاون دریا ہے۔ یہاں سے ہندوستانی مال دریائے باختر کے ذریعہ بحیرہ قزوین (Caspian) کے ذریعہ Cyrus اور یہاں سے زیادہ سے زیادہ پانچ دن میں زمینی

راستے سے پونٹس کے شہر Phasis تک ڈھویا جا سکتا ہے(Pliny the Elder, 52 ,6)۔ اس بیان سے پتہ چلتا ہے کہ یہ Oxo-Caspian سڑک نہ صرف موجود تھی بلکہ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ رومن اس راستے کو کنٹرول کرنے کے خواہش مند بھی تھے۔

ایک اور سفر نامے کے مطابق (Periplus M. Eux. 10) Phasis میں چار سو فوجی رضاکار تعینات تھے اور تاجر بھی یہاں ٹہرتے تھے۔ یہ سلسلہ ایک ہزار برس سے زائد جاری رہا۔ چھٹی یا ساتویں صدی عیسوی کے ایک سفر نامے کے مطابق ساٹھ زبانیں بولنے والے لوگ یہاں اترا کرتے تھے جن میں ہندوستان اور باختر کے غیر یونانی لوگ بھی شامل ہوتے تھے(Periplus of the Pontus Euxinus, p. 127 Diller = Pseudo-Skymnos F20 Marcotte18)۔ قیصر ہاڈریان (۱۱۷ تا ۱۳۸ عیسوی) کے زمانے میں Dionysius of Alexandria جسے Dionysius Periegetes بھی کہا جاتا ہے نے بحیرہ قزوین اور گنگا کی درمیان تجارت پر مبہم اشارہ دیا ہے(Dionysius Periegetes, 707-716)۔ Procopius نے بھی اس تجارت کا ذکر کیا ہے:-

> Now Doubios is a land excellent in every respect and especially blessed with a healthy climate and abundance of good water; and from Theodosiopolis it is removed a journey of eight days. In that region there are plains suitable for riding, and many very populous villages are situated in very close proximity to one another, and numerous merchants conduct their business in them. For from India and the neighbouring regions of Iberia and from practically all the nations of Persia and some of those under Roman sway they bring in merchandise and carry on their dealings with each other there (Procopius, History of the wars, 2, 25, 1-3; transl. by H. B. Dewing).

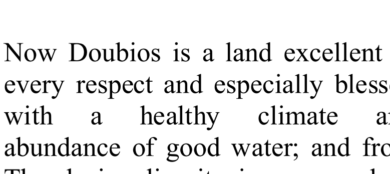

شکل ۱۔ استر اخان یا کاسان سے ۱۸۳۵ء سے قبل ملے والا یونانی باختری سکہ

اسی طرح دیگر ہندی قیمتی اشیا کی بحیرہ اسود کے پرے تک دریافت بھی ہندوس اور یورپ کی اس زمینی اور دریائی تجارت کا پتہ دیتی ہے۔ جبکہ بحیرہ روم کے علاقوں سے برآمدہ اشیا میں یونانی لٹریچر کے پپائرس ،ایک ایمفورا(صراحی) کا مہر شدہ دستہ، بلیک گلیزڈ پاٹری کے کچھ ٹکڑے اور دھاتی برتنوں کی پلاسٹر کاسٹس شامل ہیں۔

معلوم ہوتا ہے کہ ہاتھی دانت کو ہندوستان سے مغرب کی یونانی نو آبادیوں کی طرف برآمد کرنے کا کاروبار یونانی باختریوں کے پاس تھا۔ نسا کے مشہور carved rhytons کے بارے میں بھی یہ ایک رائے ہے کہ یہ باختری صنعت کا نمونہ ہیں۔ اسی قسم کی صناعی کے نمونے گنگا کی وادی کے وسط میں پنچکوڑہ (Panchkora) سے ملے ہیں۔ آئی خانم سے ٹیکسلا میڈ پنچ مارک سکوں کا ایک بڑا ذخیرہ اور اگاتھاکولس کے ہند باختری سکے بھی خزانے سے ملے ہیں۔

اگرچہ Tarn نے مختصر شمالی بحری راستے، جسے ماہرین نے Oxo-Caspian trade route کا نام دیا ہے یکسر تسلیم کرنے سے انکار کر دیا ہے(Tarn (b) 488-490) لیکن ان کے خیالات نہ صرف یہ کہ سرسری نوعیت کے ہیں بلکہ اب جدید تحقیق کی روشنی میں قابل استرداد بھی ہیں۔ گذشتہ چند دہائیوں میں روسی اور دیگر ماہرینِ آثاریات نے شمالی عقبی راستوں پر جو مادی ثقافتی آثار برآمد کئے ہیں وہ اس بات کی کافی دلیل ہیں کہ یہ راستے باختر کے راستے ہندوستان سے جُڑے ہوئے تھے۔

ماہر آثاریات O. Lordkipanidz نے بحیرہ اسود کے شمالی ساحل کے وسط میں واقع Amisos کے سکّے Colchis اور پارتھیا میں نسا (Nissa) سے دستیاب ہونے کو اس راستے کے اسکندر سے پہلے سے موجود ہونے کی دلیل مانا ہے (Lordkipanidze (a) 114-117. 35)۔ تبلیسی سے ایک یونانی باختری سکہ ملا ہے (Callieri 538)۔ سوویت البانیا سے بھی پارتھی اور یونانی باختری سکوں کا ایک دفینہ دستیاب ہوا ہے (Raschke 746, n. 435)۔

ہمیں یہ ذہن میں رکھنا ہو گا کہ آذربائجان میں کبالا اور شمالی پونٹک میدانوں میں جارجیا میں Pasanauri اور تبلیسی اور آگے یوکرائن میں Velika Oleksandrivka، Okhakov، Khortitsa اور قدیم Tyras سے یونانی باختری سکے ملے ہیں(Silk Road Art and Archaeology 1997: 147)۔ Khortitsa سے Euthydemus کے سکے کی نقل دستیاب ہوئی ہے اور اس کے علاوہ یوکرائن سے ہی Kherson سے ایک یونانی باختری سکہ ملا ہے۔ اور یہ کل ملا کر کوئی تیرہ عدد دریافتیں ہیں(Mielczarek 1989 :91)۔ Kherson بشمول Olbia سے دو عدد یونانی باختری سکے ملے ہیں جن کا ذکر H.

Zahynaylo (MASP III, 1960, pp. 250–252) نے کیا ہے Bulletin of the Institute of Archaeology - Issue 11 p. 19, 1974)۔ قازقستان میں استراخان یا کاسان سے ملنے والا Eucratidas کا ایک ٹیٹرادرہم Theophilus Bayer نے ۱۷۳۸ء میں شائع کیا تھا (Wilson 1838:156)۔ اسی نے ڈیوڈوٹس سے ملتا جلتا ایک سکہ بھی شائع کیا اور مشہور ماہر مسکوکات Vaillant کی فہرست میں بھی ایک باختری سکہ تلاش کیا۔ Remarks on the numismatic evidence for the northern Silk Route: the Sarmatians and the trade route linking the northern Black Sea area with Central Asia نامی مضمون میں Mariusz Mielczarek نے قفقاز اور یوکرائن میں باختری یونانی سکوں کی دریافتوں کا احاطہ کیا ہے۔ میناندر سوتر یعنی ملندا کا (۱۶۱ ق م تا ۱۴۱ ق م) ایک درہم وسطی پولینڈ سے Rawa Mazowiecka سے ۱۹۶۲ء میں ملا تھا۔ جس کا ذکر Mielczarek نے کتاب Ancient Greek Coins کے صفحات ۹۳ تا ۱۰۰ پر کیا ہے۔ ہیلیو کلیس کے سکوں کی دو کانسی کی نقول پولینڈ میں Lodz کے Archaeological and Ethnographical Museum میں موجود ہیں۔

کئی دہائیوں سے یہ تاثر ابھارا گیا ہے کہ باختری اور ہندی یونانیوں کی دنیا سمرقند سے سیالکوٹ کے درمیان محدود ہو کر رہ گئی تھی اور وہ اپنے وقت کے عالمی یونانی سماج کا متحرک پرزہ نہیں رہے تھے۔ جدید تحقیق نے اس تاثر کو بڑی حد تک غلط ثابت کیا ہے۔ ۱۹۷۳ء میں فرنچ مشن نے آئی خانم سے ۶۳ ٹیٹرادرہموں کا ایک دفینہ برآمد کیا اور ۱۴۱ دیگر سکے بھی شاید اسی گروہ کے مارکیٹ میں فروخت ہو گئے۔ ان میں یونانی باختری سکوں کے علاوہ سکندر ثالث کے مقدونوی اور Amphipolis کے سکے، Lysimachus کا سکہ، Eumenes I کا Mysia طرز کا سکہ، انیٹی اوکس دوم کا ایکتابانا یعنی ہمدان کی ٹکسال کا سکہ، سلیوکس دوم کا سوسا کی ٹکسال کا سکہ، سلیوکس سوم کا انطاکیہ بر Orontes کا سکہ، انیٹی اوکس ثالث کے سوسا اور سلیوکیا بر دجلہ اورانطاکیہ بر اورونتس کے سکے بھی شامل ہیں (Holt1981:8,12-3)۔ ان ٹکسالوں سے ڈھالے گئے سکوں کی آئی خانم میں موجودگی بحیرہ اسود کی جنوبی جانب آباد دنیا کی یونانی اور یونانیت مائل آبادیوں کے ساتھ ساتھ بحیرہ اسود کے جنوب مغرب میں یونانی ریاستوں بالخصوص مقدونیہ کے یونانی دنیا کے مشرقی ترین خطے باختر کے ساتھ سفری تعلقات کی گواہ ہے۔ لیکن باختر کے یونانیوں کی تاریخ اور آثار کے طالب علموں کے لئے بحیرہ اسود کی شمالی طرف کے میدانوں سے گزر کر یونان کی طرف مڑنے والے اور یوکرائن کے راستے پولینڈ جانے والے راستوں پر باختری ہنر کاری کے نقرئی نمونوں کی دریافت اور ان کے نقرئی و کانسے کے سکوں کی بر آمدگی نے کافی دلچسپی کا سامان پیدا کیا ہے۔ یہ سلسلہ پولینڈ پر ہی تمام نہیں ہو جاتا بلکہ برطانیہ میں بھی ہندیونانی بادشاہوں کے سکّے ملے ہیں جو ڈیمیٹریس سے لے کر ہرمیوس تک محیط ہیں۔ یہ زمانہ دوسو قبل مسیح سے لے کر اسّی قبل مسیح تک ممتد ہے۔ بحیرہ یورال اور دریائے وولگا کے آس پاس کشان سکے بھی ملے ہیں لیکن ان کی زیادہ تعداد بھی برطانیہ سے ہی ملی ہے۔

۱۹۶۲ء کے موسم خزاں میں وسطی پولینڈ کے شہر راوا کے قلعے کے قریب سے ایک کھیت سے جس میں تازہ ہل چلایا گیا تھا یہ نقرئی باختری یونانی سکہ پایا گیا۔ یہ میناندر کا درہم تھا۔ اس کے مونوگرام سے Mielczarek نے اس کی ٹکسال کی شناخت پشکلاوتی سے کی لیکن Osmund Bopearachchi نے اس کی ٹکسال بگرام بتائی ہے۔

باختر کے یونانیوں کا سامانِ تجارت

Cyprea moneta نسل کے گھونگے جورجیا میں لوہے کے زمانے اور بعد کی کھدائیوں میں ملتے ہیں وہ بحر ہند سے لائے جانے ہی ممکن ہیں (Lordkipanidze (b) 28-31)۔ Black Sea beryls کے بارے میں بھی خیال ہے کہ یہ ہندوستانی beryls ہیں جو ہندوستان سے درآمد کئے جاتے تھے۔ Pichvnari necropolis جو بحیرہ اسود پر واقع ہے سے دو موتی ایسے ملے ہیں جن میں الومینا کی کمپوزیشن اس طرف اشارہ کرتی ہے کہ ان کا تعلق ہندوستان سے ہو سکتا ہے کیونکہ اس کمپوزیشن کے موتی صرف ہندوستان میں ہی یہ عام تھے (Shortland and Schroeder 961-963)۔ دریائے آمو کی وادی میں ہاتھی دانت کی بالوں کی پنّوں اور دیگر اشیاء کے ایک مجموعے کے مطالعہ سے E. V. Rtveladze نے نتیجہ اخذ کیا ہے کہ:۔

> "The diffusion of the above mentioned objects can also imply that Parthian, Bactrian and Indian merchants had set up trading stations along the Oxus that were used for shipment of ivory and other articles on their way from India to Bactria and Margiana. From here these goods were shipped to Chorasmia along the Oxus, and from Margiana they were transported along the Great Indian Road across the southern

> Caucasus and the Euxine Pontus to the northern Black Sea region. The finds at Olbia of carved ivory bearing the image of a Parthian nobleman and imitations of Greco-Bactrian coins along the northern Black Sea coast, and Sanabares' coins minted in Margiana found in the Kura valley in Georgia are links in a chain and testifies to the movement of goods along the Great Indian Road."

ازبکستان کے شمال مغرب سے قازقستان کے رستے بحیرہ یورال کے اوپر سے ہو کر بحیرہ اسود تک جہاں تک بھی مشرقی یونانی پہنچ سکتے تھے وہ اس میں کمزوری نہیں دکھاتے تھے۔ اور جب وہ ایک بار یوکرائن تک پہنچ جاتے تھے تو پھر برسلز اور وہاں سے ڈاور کی برطانوی بندرگاہ کے بالمقابل یورپی ساحل تک دو ہزار کلومیٹر کا خشکی کا علاقہ پار کر لینے کی تمنا انہیں بیتاب کرتی تھی کیونکہ وہ برطانیہ سے براہ راست قلعی (ٹن) خریدنے کی حسرت سے خود کو آزاد نہیں رکھ پاتے تھے۔ باختری چاندی کی سینہ بند ڈھالیں Novouzensk بحیرہ یورال کے اوپر سے ملی ہیں۔ یوکرائن میں Chersonesus سے ایک باختری ٹیٹراڈرہم ملا ہے (Trever 1940:49,pl.3-5)۔ تمام تر آثاریاتی ثبوت یہ ثابت کرتے ہیں کہ بحیرہ یورال کا شمالی ساحل ایک معقول یونانی باختری تجارتی سرگرمی کا پتہ دیتا ہے جو چاندی کی تلاش میں ان مشرقی یونانیوں کو ازبکستان کے راستے قزل ٹیپی کی تدفینی سائٹ سے ہو کر جہاں سے یونانی باختری بادشاہ Heliocles (۱۴۵ تا ۱۲۰ ق م) کا ایک سکہ ملا ہے یہاں تک کھینچ لاتی تھی اور ان میں سے بعض یوکرائن تک بھی تجارت کے لئے آتے جاتے تھے۔ یہ خام چاندی لے جاتے تھے اور تصاویر سے مزین چاندی کے ظروف اور سجاوٹی سامان واپس یہاں فروخت کر دیتے تھے۔ ان کا واسطہ ان سرماتین قبائل سے رہتا تھا جو ڈینیوب، وولگا اور کوہ قاف کے درمیان آباد تھے اور شمال مشرقی بلقان اور مالدوا تک پھیلے ہوئے تھے۔ کے وی ٹریور نے ۱۹۴۰ء میں سائبیریا سے لے کر بحیرہ اسود کے شمالی سواحل سے آگے واقع مغربی یوننگ میدانوں تک پھیلے ہوئے چاندی کے سینہ بندوں یعنی مخصوص قسم کے (Phalerae) کے مطالعہ کے بعد انہیں یونانی باختری صنعت قرار دیا (Trever 1940: 52-57, 60-61) اور قدرے ترمیم کے ساتھ ان کا یہ نکتہ نظر ماہرین فن نے تسلیم کیا ہے۔ اس تجارتی وسعت اور ہنرمندی کو Indo-Greco-Bactrian قرار دیا گیا لیکن بعد میں یہ ترمیم کی گئی کہ سائبیریا سے ڈینیوب تک کئی طرزوں کے نقرئی سینہ بند مقبول تھے جن میں سے ایک طرز یونانی باختری بھی تھی (Mordvinceva 2001)۔ اگر یہ تجارت یونانی باختریوں کے ہاتھ میں تھی تو ان کی مالدوا تک رسائی جیسا کہ ان کے سکوں کی ان علاقوں میں موجودگی ثابت کرتی ہے ایک ثابت شدہ حقیقت ہے۔ Mikhail Treister کے الفاظ میں:

> There are grounds for linking the appearance of silver phalerae, silverware and also green-glazed pottery in burials with the historical events between 145 and 120 BC, which happened after the fall of the Graeco-Bactrian Kingdom and the movement of waves of the nomads westwards and the numerous collisions of the nomads with Parthia on its eastern and northeastern borders, recorded by written sources (Treister 2018:55; 2012: 93–95).

پارتھیا کی سلطنت کا قیام اور باختر کے یونانیوں کی ہندوسی بندرگاہوں کی طلب

Claude Rapin نے پارتھیوں کو باختری یونانیوں کی مغرب کی طرف بین الاقوامی تجارت میں ناکامی کی وجہ بتایا ہے (ص ۶۴)۔ ۱۵۹ یا ۱۶۰ ق م میں متھراڈاٹس اول نے باختر پر حملہ کر کے دریائے آریا کے مغربی علاقے پارتھیا میں شامل کر لئے۔ اس وقت یوکراڈیٹس زندہ تھا۔ یوکراڈیٹس کے اپنے بیٹے کے ہاتھوں قتل کے جسٹن کے بیان کو ٹارن نے مسترد کر دیا ہے اور یہ تطبیق کی ہے کہ دراصل ڈمیٹریس کے ایک بیٹے نے پارتھیوں کے ہاتھوں باختریوں کو شکست دلوائی اور اس بیٹے نے اپنے باپ کے قاتل یوکراڈیٹس کو قتل کیا اور انتقامی حرکات کیں (ٹارن ۱۹۳۸ء ص ۲۲۰)۔ یہ درست ہو یا غلط بہر حال باختریوں اور پارتھیوں کی لڑائی میں بحر قزوین کے دو باختری یونانی صوبے، سیستان، آراکوشیا اور گیدورسیا پارتھی نکال لے گئے۔ ہندوستان میناندر کے پاس رہا اور بچے کھچے یونانی باختر، مرو اور کاپیسا پر یوکراڈیٹس کا بیٹا ہیلوکلیس قابض رہا۔ یوتھی ڈیمس خاندان کی حکومت شاید کسی چھوٹے علاقے میں کچھ دیر مزید چلی۔ ساکستان پر پارتھیوں کے حلیف ساکوں نے قبضہ کر کے اسے ساکستان (سکستان) کا نام دیا۔ ۱۲۴ سے ۱۱۵ ق م کے درمیان ایرانی شہنشاہ نے اپنے قریبی سردار سورین کو برائے نام اطاعت کے عوض ساکستان دے دیا اور سورین نے کسریٰ کی خواہش کے مطابق

ساکوں کو یہاں سے پنجاب کی طرف دھکیل دیا اور ساکستان میں ہندپارتھی سلطنت قائم کی۔

قزوین کے علاقوں میں باختری شریک بادشاہ اندروماخس تھیوس یا اس کے ورثاء کے بے دخل ہوجانے، باختر میں خانہ جنگی اور پارتھیوں کے بحیرہ قزوین کے علاقوں سے باختر کے یونانیوں کو نکال باہر کرنے کے نتیجے میں یونان اور مغرب کے ساتھ مشرقی یونانیوں کی تجارت کو شدید نقصان پہنچا۔ آئی خانم کے خزانے یا توشہ خانے سے یونانی باختری کاریگروں کی نقرئی صراحیاں جن پر بحیرہ روم کی پلاسٹر مولڈنگز موجود ہیں دستیاب ہوئی ہیں۔ ان بیرون ملک مقیم مشرقی یونانیوں اور ان کی نسلوں کو جمنازیم کی ورزشوں کے لئے زیتون کے تیل اور یونانیت سے تعلق قائم رکھنے کے لئے یونانی کتب کی بھی ضرورت رہتی تھی (Francfort1984:104,Rapin 1992:295-6;1996:117)۔

زیتون کے تیل کی درآمد جو یونان اور بحیرہ اسود کی یونانی نو آبادیوں سے ہمہ وقت جاری رہتی تھی اور ان کی غذائی ضروریات پورا کرنے میں بنیادی جزو کی حیثیت رکھتی تھی رک گئی۔ اسی طرح باختر کا چاندی اور ہاتھی دانت کا سامان مغربی منڈیوں تک پہنچنا بند ہوگیا۔ سب سے بڑھ کر یہ ہوا کہ شمالی گھاس کے میدانی راستے اور بحیرہ قزوین اور دریائے آمو کے راستے سے ان یونانی اور ساکا یونانی کی تلاش میں آنے والے فوجی سپاہیوں اور غلاموں کی رسد رک گئی جو مقامی طاقتوں اور پارتھیوں کے خلاف باختر کے یونانیوں کے دفاعی نظام میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتے تھے۔ ۱۸۶ ق م میں رومیوں کے ہاتھوں ایشیائے کوچک کے انتہائی مغرب میں سلیوکیوں کی شکست کے بعد رومیوں نے معاہدے کی رو سے اپنے یونانی حلیف کو سلیوکیوں کے دریائے سندھ کے مغرب میں واقع ہندی صوبوں کا قبضہ دلا دیا تھا۔ درپردہ یہ علاقے رومیوں نے باختریوں کو دلوائے تھے اور ان کا یونانی حلیف باختریوں کا برائے نام شریک بادشاہ قرار دیا گیا۔ یہ سب اندروماخس اول کی اس وقت کی مغربی سیاست میں سرگرمی کا نتیجہ تھا کہ اس نے اپنے آبائی وطن کے بادشاہ سے ساز باز کر کے سلیوکیوں کو رومنوں سے پٹوایا اور اس یونانی بادشاہ کا نام استعمال کر کے سلیوکیوں کا انتہائی مشرقی علاقہ اپنے قبضے میں کر لیا۔ لیکن سلیوکیوں نے چند برس بعد ہی اندروماخس کی اس کارستانی کا انتقام یوں لیا کہ یوکراٹائڈس کو جو سلیوکیوں کے زیر اثر یا ان کا قرابت دار تھا باختر پر قبضے کا مشن سونپا جو اس نے کامیابی سے پورا کیا۔ یہ انتقامی کاروائی اس وقت کی گئی جب دریائے سندھ کے مغرب میں واقع یونانی سلیوکی علاقے کا کنٹرول باختر کے یونانی سنبھال چکے تھے اور اب دریائے کابل کی وادی سے نیچے کی طرف دریائے سندھ کے مشرقی علاقے پر قبضہ کر رہے تھے۔ ڈمیٹریس دوم کا ارادہ جلد از جلد ہندوس کی سمندری بندر گاہوں تک پہنچنا تھا تاکہ مکران، کرمان اور فارس کے ساحلوں سے ہٹ کر جو بحری تجارتی راستہ مصر کے یونانی ٹالمی بحیرہ عرب کی ہندوسی بندر گاہوں اور آگے گجرات کے ساحل تک پہنچنے کے لئے استعمال کر رہے تھے اس کو تصرف میں لایا جاسکے۔ لگ بھگ اسی وقت پارتھیوں نے بھی ان کی یونان اور بحیرہ اسود کے یونانی ساحلوں سے آنے والی فوجی کمک کاٹ ڈالی اور باختر کے یونانیوں کا پارتھی نظروں سے بچ کر شمالی گھاس کے میدانوں یا دریائے آمو اور بحیرہ قزوین کے راستے سے اپنی سفری سرگرمیاں جاری رکھنا ناممکن ہوگیا۔ یہی وہ وقت ہے جب باختر کے یونانی جرنیلوں نے ڈمیٹریس دوم کی یوکراٹائڈس کے ہاتھوں شکست اور موت کے بعد کچھ بھی انتظار نہ کیا اور بندر گاہوں تک رسائی کے لئے اپنی یلغار جاری رکھی۔ اس صورتِ حال سے معلوم ہوتا ہے کہ باختر کے یہ یونانی اکابرین پارتھی اور سلیوکی پھندے میں لگنا اپنی سیاسی موت گردانتے تھے اور ناموافق حالات میں جہاں ان کی قلیل التعداد قوم کی سلامتی داؤ پر لگی ہوئی تھی انہوں نے انتھک محنت اور جدوجہد کے ذریعے ہندوس اور گجرات پر بحیرہ عرب تک قبضہ کر لیا اور کچھ دیر اسے برقرار بھی رکھا۔ باختر کے ہندوس میں وارد ہونے والے یہ یونانی اس حقیقت کو خوب سمجھتے تھے کہ بحیرہ اسود اور قزوین کے راستے آنے والی تازہ دم کمک کی مکمل بندش اور تجارت پر پارتھی چونگی بیٹھ جانے کا مطلب یہ ہے کہ اب خالص یونانیت کو الوداع کہنے کا وقت آگیا ہے۔ ۱۴۵ ق م میں آئی خانم اپنی تباہی کے وقت ایک مکمل اور متمدن یونانی شہر تھا جس کی ہمہ جہت ضروریات مغربی روابط پوری کرتے تھے۔ اب یہ راستہ دشمن کے قبضے میں تھا اور یہ دشمن مغرب کی سیاست میں باختر کے یونانیوں کی مکمل بے دخلی سے کم کسی چیز پر رضامند نہیں تھا۔ مشرقی یونانیوں کی قسمت کا فیصلہ صادر ہوگیا تھا کہ اب وہ مغرب کی طرف دیکھنا بند کریں اور ہندوسی یونانیوں کے طور پر مقامی سماجوں سے روابط استوار کریں۔

میناندر اول اور اپالوڈوٹس اول نے اس چیلنج کو پوری سنجیدگی سے لیا۔ اپالوڈوٹس کا تو شاید اس کی زندگی نے زیادہ ساتھ نہ دیا لیکن میناندر اول نے ٹیکسلا اور پشکلاوتی کے ملے جلے ہندوسی اور یونانی سماج کی حکمرانی اس سماج کو یہ باور کرا کر شروع کی کہ وہ ان میں سے ہی ایک ہے۔ یونانی دستوں کی جگہ گندھاری اور پنجابی دستوں نے لے لی اور میناندر خود بدھ مت کا سرگرم سرپرست بن گیا۔ اس نے اس قدر چاندی اور کم تر دھاتوں کے سکے جاری کئے کہ پہلے کسی مشرقی بادشاہ نے ضرب نہیں کرائے تھے۔ یہ سکے بحیرہ عرب کی بندر گاہوں پر وافر مقدار میں تجارتی تبادلوں میں استعمال ہوتے تھے بلکہ جیسا کہ اریتھرین سمندر کی منازل نامی دستاویز کے مصنف نے بیان کیا ہے صدیوں بعد تک بھی بندر گاہوں پر ان سکوں میں خرید و

فروخت کی جاسکتی تھی۔ میناندر اول کے یہ سکے اس قدر کثرت سے ہیں کہ پولینڈ، برطانیہ اور سکاٹ لینڈ تک سے دستیاب ہوئے ہیں۔ ان کی اس کثرت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ٹارن نے لکھا ہے کہ:

> "...have he ruled wherever his coins have been found he would have been king in Pembrokeshire (Tarn 1938,p.228)."

بحیرہ عرب اور بحیرہ قلزم میں ہندوسی یونانیوں اور مصری یونانیوں کی باہمی تجارت

سٹرابو نے ذکر کیا ہے کہ Ptolemy Physcon-Euergetes II (۱۴۶ تا ۱۱۷ ق م) نے Eudoxus of Cyzicus کو ہندوستان کا بحری راستہ معلوم کرنے بھیجا جس نے ایک ہندوستانی ملاح کی فراہم کردہ معلومات کی روشنی میں دو چکر ہندوستان کے لگائے اور پھر تیسرے چکر میں سپین کے شہر قادس سے سفر شروع کرکے افریقہ کے اوپر سے ہو کر ہندوستان کا سفر کیا۔ اس سفر میں اس نے سامان تجارت کے طور پر دوہری بنسلی بجانے کی ماہر لڑکیاں، طبیب اور ہنر مند بھی ساتھ رکھے۔ مصر کے ٹالمیوں نے یونانی ہندوس اور بحیرہ احمر کی تجارت میں دلالی کرکے بہت دولت کمائی۔ ٹالمیوں کے یونانی ہندوسی بندرگاہوں سے تجارتی تعلقات اس حد تک تھے کہ رومی ماخذوں میں لکھا گیا ہے کہ آخری ٹالمی ملکہ قلوپطرہ VII نے رومیوں سے بچ نکلنے کے لئے اپنا باقی ماندہ بحری بیڑہ بحیرہ احمر میں منتقل کرکے ہندوستان فرار ہونے کا منصوبہ تیار کیا تھا لیکن رومیوں نے اس کوشش کو ناکام بنادیا۔ اس واقعہ کا تذکرہ Raoul McLaughlin نے The Roman Empire and the Indian Ocean: the ancient world economy and the kingdoms of Africa, Arabia and India (۲۰۱۸ء) میں کیا ہے۔ اس واقعے سے کچھ علم ہوتا ہے کہ مصر کے ٹالمی یونانی اور ہندوس کے یونانی عالمی سیاست میں ایک دوسرے کے حلیف تھے اور اس دوستی کی وجہ ان کی کافی بڑی باہمی تجارت تھی۔ اس بات کو یوں بھی سمجھا جاسکتا ہے کہ پارتھیا کی خود مختاری نے بحیرہ اسود کے ساحلوں اور اس کے پانیوں کے راستے مغرب تک باختر کے یونانیوں کی ہمہ جہت آمد و رفت، بالخصوص جنگجو بھرتی کرکے لانے اور تجارت پر کاری ضرب لگائی۔ بین الاقوامی افق پر اس تبدیلی نے باختر کے یونانیوں کی فوجی قوت اور سیاسی غلبے کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچایا۔ باختر کو بتدریج شمال سے آنے والے متمدن اور یونانیت زدہ حملہ آور خانہ بدوشوں کے لئے خالی کرتے ہوئے اور اپنی بقاء کی جنگ لڑتے ہوئے ڈمیٹریس دوم، میناندر اور اپالوڈوٹس کی قیادت میں زیرک یونانی قیادت کے ایک حصے نے نئے ہندوس کو فتح کرکے بحیرہ عرب کی بندرگاہوں پر قبضہ کیا اور مصر کے ٹالمیوں کی شراکت سے بحیرہ عرب کے راستے بحیرہ احمر میں سے ہو کر مصر کی تجارت میں اپنا کردار ادا کیا۔

قرائن بتاتے ہیں کہ باختر کے یونانی جواب ہندوس کے یونانیوں کے طور پر جلوہ گر ہو رہے تھے جلد ہی بحیرہ عرب پر واقع سندھ اور گجرات کی بندرگاہوں کے راست مغرب سے ایک بار پھر مضبوط تعلقات استوار کرنے میں کامیاب ہوگئے لیکن وقت ان کے ساتھ نہیں تھا۔ مصر میں ان کے حلیف ٹالمیوں کو رومیوں نے پچھاڑ دیا۔ یونان اور اس کے جزائر بھی مکمل طور پر روم کے قبضے میں چلے گئے۔ مصر اور یونان پر رومی قبضے کا مطلب رومیوں کے ساتھ براہ راست تجارت تھا اور یہ چیز ہندوس کے یونانیوں کے حق میں بہتر ثابت نہ ہوئی۔ چند ہی دہائیوں میں بحرِ ہند کی تجارت رومیوں نے اپنے ہاتھوں میں کرلی۔ اس کے ساتھ ہی ہندوس کے یونانی جو اب وہ پہلے والے یونانی نہیں رہے تھے بلکہ اب "ہندوسی یونانی" بنتے جارہے تھے اقتصادی بدحالی کا شکار ہو کر ہندی ساکاؤں، کشانوں اور ہند پارتھیوں کے ہاتھوں تدریج سیالکوٹ اور جموں کے درمیان ایک چھوٹے سے علاقے پر برائے نام علاقائی حاکموں کے درجے پر آگئے۔ پہلی صدی عیسوی کی ابتدا میں ساکا حکمران راجا اولا نے آخری میناندری شاخ کے سٹارٹون یونانی خانوادے کو سیالکوٹ اور جمّوں میں عام جاگیرداروں کے درجے پر لا کھڑا کیا۔ کچھ ہی سالوں میں یہ جنوبی ایشیا کی سیاسی تاریخ پر تین سو برس تک اپنے اثرات مترتب کرکے گوشہ گمنامی میں جاپڑے۔

برطانیہ میں ہندوس کے یونانی حکمرانوں کے سکوں کی دریافتیں

پچھلے دوسو برس میں برطانیہ میں ۲۳ کے قریب مقامات سے ہند باختری اور کشان سکے دستیاب ہوچکے ہیں۔ یہ تعداد خاصی بڑی ہے اور اس لئے بھی اہم ہے کہ مغربی یورپ میں اور کسی مقام سے تاحال کشان سکوں کی دریافت کی کوئی آثاریاتی یا مسکوکاتی شہادت موجود نہیں۔ چونکہ برطانیہ کی جنوبی ایشیا میں حکومت رہی ہے اس لئے ان دریافتوں کے بارے میں سکوں کے ماہرین کی عمومی رائے یہی ابھر رہی ہے کہ یہ سکے نوآبادیاتی دور میں برطانیہ لائے گئے اور لانے والے انہیں کہیں نہ کہیں گرا بیٹھے اور بعد میں یہ کسی کے ہاتھ آکر عجائب گھروں تک پہنچے۔ کیا یہ کہانی اتنی ہی سادہ ہے؟ یا اس میں اس سے زیادہ دلچسپ پیچ و خم موجود ہیں؟ یہ ایک نہایت دلچسپ علمی بحث ہے جو ابھی آغاز کے مراحل میں ہے۔ اس بحث کا آغاز ۲۶ جنوری ۲۰۱۵ء کے روز اپنے ایک بلاگ میں کیمبرج کی ڈاکٹر Caitlin R Green نے کیا۔ موصوفہ نے UK کے آثاریاتی نوادرات کے ڈیٹا بیس

PAS کے ریکارڈ سے ۲۳ سکے ایسے معلوم کئے جو ہند باختری، ہند ساکا اور کشان دور کے ہیں اور ان میں ایک سکہ ایک کشتر اپا کا بھی ہے۔ سب سکے اپالوڈوٹس سے لے کر واسودیوا کے درمیان کے دور کے ہیں یعنی کل کوئی چار سو برس سے کچھ زائد عرصے کے دوران کے ہیں۔ اور ان میں ملندا، ایزس اول و دوم اور کجولا کیڈ فائسز کے سکے باقی سکوں سے پانچ گنا زیادہ تعداد میں ہیں۔

جب ڈاکٹر Caitlin R Green کا بلاگ Indo-Greek, Indo-Scythian & other early Indian coins found in Britain کے نام سے آن لائن آیا تو اس پر فوری کوئی ردّ عمل سامنے نہ آیا۔

۲۰۲۰ء میں برٹش میوزیم کے معروف ماہر مسکوکات Robert Bracey نے اس حوالے سے یوٹیوب پر ایک گفتگو نشر کی جس میں انہوں نے یہ موٴقف اپنایا کہ زیادہ تر امکان یہی ہے کہ یہ سکے نو آبادتی ہند پلٹ برطانویوں کی جیبوں سے چھلکے ہوئے سکّے ہیں جو انہوں نے دلچسپ اشیاء کے طور ہر برطانوی ہند میں حاصل کئے اور وطن واپسی پر یہ سکے ان سے کھوئے گئے۔ لیکن سکوں کی ترتیب بتاتی ہے کہ تانبے کے سکے چاہے قبل از کشان ہوں یا کشان وہ زیادہ تر سواحل سے ملے ہیں اور باختری تا کشتر اپا چاندی کے سکے زیادہ تر وسطی برطانیہ سے ملے ہیں اور یہ ترتیب فلاوین دور کی رومن برطانوی سکوں کی دریافت کے نقشہ کے مطابق ہے۔ ان کے نزدیک برطانیہ سے سکوں کی یہ دریافت خرگوش کا سوراخ ہے جس میں سے بہت سے تحقیقی راستے نکلتے ہیں اور کسی ایک کے بارے میں حتمیت سے کچھ نہیں کہا جاسکتا۔

لیکن زاویہ نظر کی تبدیلی سے شاید ہم مزید کچھ حقائق تک پہنچ سکتے ہیں۔ سب سے پہلی دلچسپ بات یہ نظر آتی ہے کہ ایک سکہ بھی ہڈریان کی دیوار کے پار سے دستیاب نہیں ہوا۔ نہ ہی آئرلینڈ اور سکاٹ لینڈ سے کوئی سکہ ملا ہے۔ اگرچہ سکاٹ لینڈ اور آئرلینڈ کے پاس ایسا ڈیٹا بیس موجود نہیں لیکن ایک آدھ سکہ بھی آج تک ہاڈریان کی دیوار سے پرے دستیاب نہیں ہوا۔ نہ ہی آئرلینڈ میں ایسا کوئی سکہ ملا ہے۔ اگر یہ برطانوی نو آبادیاتی دور میں ہندوستان پلٹوں کی جیبوں سے چھلکے ہوئے سکے ہوتے تو سکاٹ لینڈ اور آئرلینڈ وغیرہ سے بھی کوئی نہ کوئی سکہ ملنا چاہئیے تھا۔

دوسری نہایت اہم بات یہ ہے کہ تمام سکے دوسری صدی ق م سے لے کر دوسری صدی عیسوی کے درمیان کے عرصے کے ہیں۔ صرف ایک سکے کے بارے میں شبہ کیا گیا ہے کہ یہ چوتھی یا پانچویں صدی سے تعلق رکھتا ہے۔ تمام سکوں کا برطانیہ (مع ویلز) کی جغرافیائی حدود میں ہڈریان کی دیوار کے اِس طرف اور صرف چار صدیوں تک محدود ہونا اس امکان کو تقویت دیتا ہے کہ ان میں سے کئی ایک سکے قدیم زمانے میں یہاں تک پہنچے۔

تیسری نہایت قابل غور بات یہ ہے کہ ملندا، ایزس اول و دوم اور کجولا کیڈ فیسز کے سکوں کی تعداد دوسرے سکوں سے نمایاں زیادہ ہے اور جہاں باقی سکے اکا دکا ملے ہیں وہاں ان تین یا چار بادشاہوں کے سکے تین سے چھ گنا زیادہ تعداد میں ملے ہیں۔

چوتھی اہم بات یہ ہے کہ ان سکوں کی دریافت کی جگہوں میں وسطی انگلستان میں ایک ایک منزل کے قریب کا فاصلہ ہے۔ اور یہ سکے بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ لندن سے نکلنے والے قدیم راستوں پر اہم قصبات سے ملے ہیں۔

پانچویں اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ میناندر اوّل کے کم از کم دو سکے کھدائی میں دستیاب ہوئے ہیں۔ خلاصہ یہی معلوم ہوتا ہے کہ زیادہ تر ملندا، ایزس اول و دوم اور کجولا کے زمانے میں یہ سکے برطانیہ اور ویلز لائے گئے۔

میناندر اوّل (ملندا) کے سکے

پہلا سکہ جو کسی آثاریاتی سیاق و سباق میں برطانیہ سے دستیاب ہوا وہ Menander کا ایک نقرئی سکہ تھا جو ۱۸۸۱ء میں ویلز میں Pemborkeshire کے مقام سے Mentmore House کی بنیادوں کی کھدائی کے دوران دو فٹ کی گہرائی سے دستیاب ہوا۔ یہ عمارت شہر کی دیوار میں جنوب مغربی سمت اس وقت جو نیا محرابی دروازہ بنایا گیا تھا اس کے متصل واقع ہے۔ اسے Tenby عجائب گھر میں ویسپاسئن کے سکے کے ساتھ ہی جو اسی مقام سے دو برس قبل دریافت ہوا تھا رکھا گیا تھا۔ Lewis نے Little England نامی کتاب کے صفحہ ۴۴ پر اس کا ذکر کیا ہے۔ ویلز سے ہی Denbighshire سے ملندا کا دوسرا نقرئی سکہ ۲۰۱۸ء میں ملا۔ یہ میٹل ڈیٹیکٹر کی مدد سے تلاش کیا گیا۔

بی بی سی ہسٹری میگزین (اگست جلد ۷ نمبر ۸) کی ایک رپورٹ کے مطابق ایک ہند باختری سکہ Hampshire میں Buriton سے ۱۹۲۰ء میں دستیاب ہوا تھا۔ Llewelyn Morgan نے جو آکسفرڈ میں Brasenose College کے فیلو ہیں اسے ملندا کے سکے کے طور پر شناخت کیا۔ Albert Passingham نامی ایک گیم کیپر نے ۱۹۲۰ء میں یہ سکہ Nursted House estate سے کھود کر نکالا تھا۔ یہ سکہ اس کی بھانجی کے پاس اب Fernham میں موجود ہے۔ ۲۰۱۳ء میں اسے Buriton میں نمائش کے لئے بھی رکھا گیا۔[18]

۱۸۸۲ء میں Towcester سے ملندا کا خود (ہیلمٹ) والا ایک نقرئی سکہ کھدائی میں برامد ہوا۔ یہ مشن روم کے نزدیک شہر کے جنوبی حصے سے شاید بنیادوں میں

[18] https://web.archive.org/web/20060929181138/http://www.buriton.org.uk/bhb/whatsnew.htm

سے برآمد ہوا۔ یہ سکّہ Tite نامی ایک شخص کی ملکیت تھا۔ Northamptonshire Notes and Queries: An Illustrated Quarterly کی جلد ا شائع شدہ ۱۸۸۶ء کے صفحہ ۹۹ پر اس کا ذکر ہے۔

سن ۱۸۸۰ء سے قبل ہی سٹون ہینج ضلع Wiltshire پیرش Amesbury سے ملندا کا ایک اور سکہ برآمد ہوا تھا۔ میڈیلائن کالج آکسفرڈ کے C.E.Stevens نے اس کی دریافت کا اعلان کیا تھا۔ یہ سکہ اب Salisbury Museum میں ہے لیکن پہلے یہ ساوتھ ایمپٹن میوزیم میں تھا۔ تحقیقی ادارہ Crowley A History of کے جرنل Institute of Historical Research Wilteshire جلد اول، شمارہ اول ۱۹۵۷ء کے صفحہ ۹۰ پر Ralph Bernard Pugh اور Elizabeth Crittall, D. A. کی یہ تحقیق شائع شدہ موجود ہے۔ مشہور زمانہ ماہر آثاریات William Matthew Flinders Petrie نے ۱۸۸۰ء میں اپنی کتاب Stonehenge: Plans, Description, and Theories کے صفحہ ۲۴ پر اس سکے کا ۲۰۰ ق م کے باختری سکے کے طور پر ذکر کیا ہے جو کسی مقامی شخص کو سٹون ہینج سے ملا تھا۔

دیگر ہند باختری سکّے

اپالوڈوٹس کا ایک سکہ لندن سے Vincent Square کے علاقے سے ملا ہے۔[19] یہ بھی میٹل ڈیٹیکٹر کے استعمال سے دریافت ہوا ہے۔ ڈمیٹریس کا ایک سکہ Newcastle upon Tyne میں Fenham سے ملا ہے۔ ہرمیوس کے سکے کی ایک نقل ساوتھ ویسٹ ریجن۔ Kent۔ ضلع Dover۔ پیرش Whitfield سے دستیاب ہوئی ہے۔

میناندر اول کے بارے میں سٹرابو کے جغرافیہ میں لکھا ہے کہ قبائل پر فتوحات کے لحاظ سے وہ سکندر سے بھی بڑا بادشاہ تھا (Book 11, Chapter 11)۔ ۱۳۰ ق م میں اس کی وفات ہوئی۔ پہلی یا دوسری صدی عیسوی میں Periplus of the Erythraean Sea کے مصنف کے مطابق:

> To the present day ancient drachmae are current in Barygaza, coming from this country, bearing inscriptions in Greek letters, and the devices of those who reigned after Alexander, Apollodorus [sic] and Menander. — Periplus, ch. 47.

اس تحریر کو دوبارہ دیکھنے کی ضرورت ہے۔ اس کا مطلب یہ معلوم ہوتا ہے کہ ملندا کے سکّے Barygaza سے مغرب کی طرف یورپ تک لے جائے جاتے تھے۔ ہند یونانی باختری بادشاہوں میں سب سے پہلے Menander کے سکوں پر Alkidemos ("Athena, saviour of the people") کی صورت کندہ کی گئی ہے۔ یہ غالباً مقدونیہ کے دارالحکومت پیلا (Pella) میں اس دیوی کے ایک مجسمے سے مشتق ہے اور اس کے مقدونیہ کے ساتھ مذہبی اور علمی تعلق کی گواہ ہے۔

Mariusz Mielczarek نے یورپ میں ملندا کے سکے کی آمد بحیرہ اسود کے مغربی سواحل کے راستے قرار دی ہے (Mielczarek ۱۹۸۹، ص ۹۶)۔ Mielczarek کی فراہم کردہ تفصیل کے مطابق باختری اور ہندوستانی سکوں کا ایک گروپ لودز کے میوزیم میں موجود ہے جس میں Eucratides I کے "اوبولی" شامل ہیں (مسکوکات نمبر ۱۸۰ اور ۱۸۱)۔

ہندوستان کی یاوانی کنیزیں۔۔۔ یاوانا داسیاں

حال ہی میں Kathryn A. Hain نے جرنل آف ورلڈ ہسٹری جلد ۳۱ نمبر ۲ صفحات ۲۶۵ تا ۲۹۳ (ہوائی یونیورسٹی پریس) میں قدیم ہندوستانی مأخذوں سے yavani (مذکر پراکرت yona ،قدیم ایرانی yauna اور قدیم تامل yavanar) کنیزوں کی جنوبی ایشیا میں کھپت پر تحقیق شائع کی ہے۔ رامائن، مہابھارت اور اشوک کے کتبوں کے علاوہ بہت سے اہم سنسکرت اور پراکرت یا تامل ذرائع میں ان یونانیوں کا ذکر موجود ہے۔ پہلے پہل اس لفظ کا اطلاق صرف آئیونی یونانی یا مقدونوی باشندوں پر کیا جاتا تھا لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ بحیرہ روم کے گرد اور یونان سے لے کر سندھ تک تمام یونانی بولنے والوں بشمول رومیوں کے لئے یہ لفظ استعمال کیا جانے لگا۔ سٹرابو کی ایک تحریر سے اشارہ ملتا ہے کہ یونانی بانسری نواز کنیزیں ہندوستان میں فروخت کی جاتی تھیں (Geography, 2.3.4–5)۔

یونانی تحریر Periplus Maris Erythraei کے گمنام مصنف کے مطابق ہندوستانی راجوں سے بریگازا کے راستے تجارت کی اجازت حاصل کرنے کے لئے انہیں نقرئی ظروف، غلام موسیقاروں، حرموں کے طور پر خوبصورت لڑکیوں اور اعلیٰ شراب کی صورت میں تحائف پیش کرنے مفید تھے (۴۹ اور ۸۱)۔ اسی شہر سے وہ bullae ملا ہے جس پر yavanikanam تحریر ہے۔ ہندوستان کی طرف آنے والے زمینی اور بحری راستوں پر یہ عورتیں نہ صرف ادائیگی کی مدّ میں استعمال کی جاتی تھیں بلکہ تجارتی چونگیوں پر سب سے زیادہ ٹیکس انہیں کنیزوں پر

[19] https://finds.org.uk/database/artefacts/record/id/573374

ان کی قیمت کے حساب سے ادا کرنا پڑتا تھا۔ شامی یونانی سیاح اپالونیوس آف تیانا جب ہندوستان کے سفر پر چلا تو شام میں Zeugma یعنی موجودہ بالکس کے مقام پر چونگی کا داروغہ ٹیکس عائد کرنے کی غرض سے اسے ایک نوٹس بورڈ کی طرف لے گیا اور اس سے متاعِ تجارت کے بارے میں سوال کیا گیا۔ اس کے جواب پر کہ میں جنس تجارت کے طور پر معدلت، صداقت، نیکی، ضبط نفس، جرأت اور نظم وضبط لے جارہا ہوں داروغہ نے کہا پھر تو تمہیں یہ سب لونڈیاں ڈیکلئر کرنا ہوں گی۔ اس پر اپالونیوس نے جواب دیا کہ ایسا نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ لونڈیاں نہیں بلکہ شاہی خواتین ہیں (باب ا فقرہ ۲۰)۔ اس دلچسپ گفتگو سے پتہ لگتا ہے کہ کس قدر نظم و ضبط کے ساتھ مغربی لونڈیاں محصول چونگیوں پر ٹیکس ادا کرنے کے لئے روکی جاتی تھیں اور پوری پڑتال اور ان کی قیمت کے تعین کے حساب سے محصول کی ادائیگی کے بعد ہی ان کے مالک تاجر ان کے ساتھ مشرق کی طرف اپنے طویل سفر کو جاری رکھ سکتے تھے۔ یہ یونانی خواتین زیادہ تر مقامی راجوں کے محلات میں حرم کی حفاظت، دیکھ بھال اور موسیقاری کے امور سنبھالتی تھیں۔ Antagada-Dasao میں جو ایک جین تحریر ہے یونانی اور پہلوا (پارتھی) عورتوں کے شاہی محل کے عملے میں شامل ہونے کا ذکر کرتی ہے()۔ جین مت کے بانی مہاویر کے ہم عصر بادشاہ سینیا کے حرم میں بھی یونانی عورتوں کی موجودگی کا ذکر موجود ہے۔

یونانی شہزادیاں

صرف یونانی کنیزیں ہی یونان سے بکثرت خرید کر نہیں لائی جاتی تھیں بلکہ یونانی شہزادیاں بھی ہندوس پہنچ جاتی تھیں۔ سلیوکس نے چندر گپت موریہ سے معاہدہ کیا تو اسے اپنی بیٹی Cornelia جس کی والدہ باختری تھی اس کے ہاں بھیجنا پڑی جیسا کہ Appian نے تاریخ روم میں شامی جنگوں کے باب میں حصہ ۵۵ میں بیان کیا ہے۔

یونانی "قلماقنیاں"

کالی داس کے ناٹک Urvasi Won by Valour میں بادشاہ پروراواس کے ہاں ایک یونانی کمان بردار خاتون کا کردار موجود ہے۔ کالی داس ہی کے ڈرامے شکنتلا میں بھی یونانی کمان بردار سپاہنوں کے کردار موجود ہیں۔ اسی ڈرامے کے ایکٹ دوم میں ان یاوانیاؤں کو جنگلی پھولوں کے بھاری ہار پہنے اور یوں کمان بدست پیش کیا گیا ہے جبکہ انہوں نے ہیرو کو گھیر رکھا ہے۔ کالی داس کی رزمیہ نظم The Dynasty of Raghu کا راہب فارسیوں کے تصرف میں موجود

ہندوس کی گوری یاوانیوں کے چہروں پر شراب کی سرخی کی جھلک دیکھ کر ناخوش ہوتا ہے۔ S'yāmilaka نے گپتا عہد میں Pādatāditaka نامی تصنیف میں ایک یاوانی طوائف Karpūraturisthā کا بھرپور نقشہ کھینچا ہے:

> Isn't this the Greek girl called Karpūraturisthā who is deeply loved by our dear friend Varāhadāsa, the son of the honourable S ' ārdūlavarman, whose name is blessed? She holds a goblet with three fingers which is turned to the mock moon (her face), and, by holding up her earring, its reflection dancing across the surface of her cheek, she is, as it were, carrying on her shoulder the moon swinging to and fro with its beams. After spreading out the long liana of her tresses with her nails that Greek girl contemplates her face in the drink, her eyes glancing sideways, resembling those of the Cakora bird. As though it were lacquer, she tries to remove the colour of love, which had risen to both her cheeks, which are white and very delicate, like the blooms of the Bassia Latifolia. (S ' yāmilaka, 115. [111] – 116. [112])
>
> I understand that a yavani courtesan, a female monkey and a female dancer, a man of Malava and one addicted to amorous passion, a donkey and a singer, all have a common nature . . . . But she also is indeed my friend. (S ' yāmilaka, 111–112)-
>
> But I should not accost her. For who will listen to the yavani courtezan's words which are like the chattering of a monkey, full of shrill sounds and of indistinguishable consonants, and which are interspersed with the display of the forefingers? (S ' yāmilaka, 111–112).

شامی کنیزیں

یونانی کنیزوں کی ہندوس میں طلب کم از کم پہلی صدی کے اختتام تک یعنی یونانی اقتدار کے خاتمے کے ایک صدی بعد تک جاری رہی۔ Kathryn A. Hain (حوالہ بالا ص ۲۸۵) نے اعمال توما کی عبرانی بانسری نواز کنیز کی ہندوسی بندرگاہ میں موجودگی پر امکانی پہلوؤں کو زیر بحث لانے کی کوشش کی ہے۔ وہ یہ نتیجہ اخذ کرتی ہیں کہ ٹالمیوں اور سلیوکیوں کی بہت سی باہمی جنگوں کے باعث وسیع

ترشام غلام پکڑنے کا ایک ایسا سرحدی علاقہ غیر بن چکا تھا جہاں لا قانونیت کا راج تھا۔ یا پھر یہ لڑکی اس علاقے میں پہلے سے آباد کسی شامی یہودی کنیز کی اگلی نسل بھی ہو سکتی ہے۔ پہلی صدی عیسوی کے نصف اوّل کی تحریری آثاریاتی دریافتوں سے ثابت ہوا ہے کہ فلسطینی یہودی آرامی کے ساتھ ساتھ عبرانی بھی یکساں روانی سے لکھتے اور بولتے تھے۔ اعمال توما میں ہندوسی عبرانی کنیز کا عبرانی بولنا مصنفہ کے نزدیک سریانی کی دوسری صدی عیسوی کی اس تصنیف کے پیچھے پہلی صدی عیسوی کی ایک عبرانی اصل موجود ہونے کا بھی غماز ہو سکتا ہے۔ مصنفہ کے نزدیک یہ عبرانی کنیز ہندوس میں مسیحیت کو قبول کرنے والا پہلا وجود بھی ہے (صص ۲۸۶ اور ۲۸۷)۔

یاوانے اور یونکے

وادیٔ سندھ جسے یونانی ہندوس اور رومی انڈس کہتے تھے شاذ ہی کبھی بیرونی حکمرانوں سے خالی ہوا ہے۔ اور دیگر غلام سماجوں کی طرح ہی ان حکمرانوں کی معاونت ہمیشہ ایک ایسے طبقے نے کی جو باہمی ازدواج کے نتیجے میں ان کے رنگ میں رنگا جاتا ہے۔ انگریز دور میں انگریز کے رنگ میں رنگے ہوئے اینگلو انڈین موجود تھے، مغل (چغتائی) دور میں یہ فرائض چوغطوں نے سنبھال رکھے تھے و علی ھذا القیاس۔ یونانی یعنی یاوانا دور میں یہ ملا جلا طبقہ یونکا کہلاتا تھا۔ ان یونکوں کے نام دکن کی غاروں کے کتبات سے دستیاب ہوئے ہیں۔ دکن کی غاروں کے کتبات میں یاوانے اور یونکے دیالوؤں کا ذکر ہے۔ جرنل آف ایشیاٹک سوسائٹی بمبئی (۱۹۸۱ء ص ۵۶ تا ۵۹) میں مغربی ہند کے یاوانا کتبات کے نام سے S.C Laeuchli نے ایک مضمون لکھا۔ ان کے نزدیک یاوانے تو معزز یونانی تھے جبکہ ''یون نکے'' ان کا نچلا طبقہ تھے۔

ہندوس کا یونانی سماج

یونانی سنسکرت لٹریچر کی رو سے ملیچھ تھے اور ملیچھ زبان بولتے تھے۔ اس اصطلاح کا اطلاق بحیرہ روم کی مجموعی آبادی پر ہوتا تھا جیسا کہ بھوشیہ مہاپران میں سندھو پار کے علاقے کو اجاریہ موسیٰ کے پیروکاروں سے بھرا ہوا بتایا گیا ہے۔ ان غاروں میں کئی کتبے Dhenukakata کے یونانیوں کے ستون دان کرنے کا ذکر کرتے ہیں۔ ایک کتبے میں Irila یونانی کا ذکر ہے جبکہ ایک میں Cita نامی یونانی کا ذکر ہے۔ یہ شاید Umehanakata کا رہنے والا تھا۔

یونانی بدھ مبلغ

۲۵۰ قبل مسیح کے لگ بھگ اشوک کی تحریک سے تھیر اوادن سنگھا نے سندھو پار کے یونانیوں میں بدھ مت کی تبلیغ کے لئے مہاوسا کتاب کے بقول مہار کھیتا کو بطور مبلغ بھجوایا تھا۔ جبکہ ایک یونانی بھکشو دھمّارکھیتا کو جنوبی ہندوستان بھجوایا گیا تھا۔ اشوک کے کتبات میں ان مغربی بادشاہوں اور شہنشاہوں کے نام آئے ہیں جن کی طرف اشوک نے یہ تبلیغی وفد بھجوائے تھے۔

زیتون کے تیل کی تجارت

زیتون باختری یونانیوں کے لئے ایک ایسی نعمت تھی جسے یہ تارکین وطن بہت یاد کرتے تھے۔ ان کی اس حسرت کا اظہار سٹرابو کے ان الفاظ سے ہوتا ہے کہ افسوس کہ وسط ایشیا میں زیتون نہیں اُگتا (II 1.14)۔ آئی خانم کے محل کے خزانے یا توشہ خانے سے درآمد شدہ زیتون کے تیل کے ایمفورا (صراحیاں) ملے ہیں جن پر '' زیتون کا تیل'' تحریر ہے۔ یہ تیل یونان سے منگوایا جاتا تھا اور لوبان اور سونے کے سکوں کے برابر قیمتی متصور ہوتا تھا۔ مثلاً ایک برتن پر تحریر ہے کہ سن ۲۴ میں زیتون کا تیل کس طرح Hippias the hemiolios نے دو مرتبانوں سے ایک میں منتقل کر کے اسے مہر بند کیا (Claude Rapin, "De l'Indus à l'Oxus", p. 375.)۔ ابھی تک ہم اتنا ہی جانتے ہیں کہ یونانیوں کو جب تک وہ باختر میں رہے زیتون میسر نہ ہونے کا دکھ تھا۔ ان کے امراء کے لئے زیتون کا تیل میگنیسیا اور یونان سے پونطس اور پونطس سے باختر لایا جاتا تھا اور یہ سونے کے بھاؤ پڑتا تھا۔ عوام کے لئے شاید یہ تیل بحیرہ اسود کی یونانی نو آبادیوں سے درآمد کیا جاتا تھا۔ سٹرابو نے ہی لکھا ہے کہ پونطس (بحیرہ اسود) کے گرد کے علاقوں میں Iris اور Lycus کے سنگم پر جہاں یہ دونوں دریا Phanaroea کی وادی میں بہتے تھے زیتون بھی کاشت ہوتا تھا۔ Sinope اور Amastris کے علاقوں میں سمندر سے کچھ اوپر سے زیتون کے باغات شروع ہو جاتے تھے اور سارے علاقے میں زیتون کاشت کیا جاتا تھا (12.3.12,30 اور 2.1.15)۔ پونطس کے ساحلوں پر زیتون بکثرت تھا اور لوہا اور چاندی Pharnacia کے جنوب میں واقع ساحل میں دستیاب تھے۔ تانبہ، سیسہ اور جست بھی پونطس کی یونانی نو آبادیوں سے حاصل کئے جا سکتے تھے۔ پولی بیوس لکھتا ہے کہ پونطس میں یونان کا فاضل زیتون کا تیل درآمد کیا جاتا تھا()۔

اب اگر تیل نو آبادیوں سے خریدا جاتا تو بھی نہایت مہنگا ملتا تھا اور اگر ہرات میں نصیبین کے تاجروں کی نو آبادی کے ذریعہ نصیبین کے راستے پارتھیا اور سلیوکیا کے راستے منگوایا جاتا تو اور بھی مہنگا پڑتا تھا۔ بحیرہ اسود کی وہ یونانی نو آبادیاں جو آذربائیجان کے مغرب میں بحیرہ اسود کے مشرقی ساحلوں پر واقع تھیں زیتون کا تیل یونان سے خریدتی تھیں۔ اور باختر کے یونانیوں کے تجارتی نمائندے اولبیا اور دیگر ایسی یونانی نو آبادیوں سے یہ تیل خرید کر باختر پہنچاتے تھے۔ ان نو آبادیوں

سے باختر کے یونانی بادشاہوں اور ہندوس کے یونانی حکمران میناندر کے سکے ملے ہیں۔

باختر سے یونانی اقتدار کی منتقلی ہندوس یعنی ایک ایسے علاقے میں ہوئی جہاں ہر طرف خودرو زیتون کے جنگلات موجود تھے۔ یونانیوں کو وادی سندھ یعنی ہندوس کے اس زیتون کا قدیم سے علم تھا۔ پلینی کبیر نے جب یونانی ماخذوں سے اپنی نباتات پر کتاب لکھی جس میں اس نے صرف ایک سطر میں ہندوس کے زیتون کا ذکر کیا ہے ۔وہ لکھتا ہے کہ ہندوس کا زیتون ایک بے ثمر درخت ہے (12.14.1)۔ طب کی یونانی کتب میں ہندوس کے زیتون کے پتوں اور چھال کو دوا کے طور پر استعمال کرنے کا ذکر ہے۔ البیرونی نے بھی کتاب الصیدلہ میں جبال افغانیہ پر خاون (خونہ) یعنی مقامی زیتون کی موجودگی کا ذکر کیا ہے.

ایسے میں زیتون کے جنگلوں سے پٹے ہوئے ملک پر قبضہ کرنے کے بعد اس زیتون سے فائدہ اٹھانے کے لئے میناندر اور اپالوڈوٹس اور ان کے جانشینوں نے کیا کیا۔ یہ معلوم کرنا ابھی باقی ہے۔ کیا یونانیوں کے پاس ہندوس کی فتح کے بعد بھی مقامی طور پر زیتون کا تیل میسر نہیں آیا؟ یہ ایک دلچسپ سوال ہے۔ نہ صرف وادئ سندھ میں بلکہ اس کے آس پاس کے پہاڑوں، جموں، بیرونی کشمیر اور ہر طرف زیتون ہی زیتون تھا۔ ہند باختریوں کے پاس دو امکانات تھے۔ ایک یہ کہ وہ اسی مقامی خودرو زیتون جسے کہو یا خونہ کہتے ہیں سے تیل نکالیں اور یا پھر ایک مشکل اور طویل سفر کے بعد مناسب زیتون کے یونانی نسلوں کے پیوندی پودے ہندوس منتقل کریں اور یہاں قلمیں تیار کر کے بڑے زیتون تیار کریں۔ یہ تو ممکن نہیں کہ زیتون کی قلم بندی کے فن میں ماہر یونانیوں نے زیتون کی اس بہتات کو نظر انداز کر دیا ہو۔ ہاں یہ ممکن ہے کہ انہیں وسیع پیمانے پر معیاری اقسام کے زیتون سے وسیع پیداوار لینے کا موقع نہ ملا ہو۔ ایک امکان یہ بھی ہے کہ جنگلی زیتون کا تیل ہی کسی حد تک استعمال میں لایا گیا ہو۔

ماضی میں یہ سمجھا جاتا رہا کہ ہندوسی خودرو زیتون کا تیل نہیں نکالا جا سکتا لیکن یہ بات درست نہیں۔ بلوچستان کے پہاڑی علاقوں میں مقامی لوگ اس کے پھل میں تیل کی موجودگی سے واقف ہیں لیکن اسے خشک کر کے جانوروں کو فربہ کرنے کے لئے کھلایا جاتا ہے۔ سن ۲۰۰۹ء میں پاکستان کی معلوم تاریخ میں پہلی بار ایرڈ ایگری کلچر یونیورسٹی راولپنڈی کے ماہرین نے راولپنڈی کے مقامی جنگلی زیتون سے ۳۲ سے ۳۸ فیصد فی کلو گرام تیل کشید کیا۔ ان کی یہ تحقیق افریقن جرنل آف بائیوٹیکنالوجی جلد ۸ نمبر ۱۶ صفحات ۳۷۳۴ تا ۳۷۳۸ پر Isolation and characterization of edible oil from wild olive کے عنوان سے شائع ہوئی۔ ان ماہرین نے گذشتہ برس (۲۰۲۰) مقامی سطح پر اس میں سے تیل نکالا گیا۔ موسیٰ خیل بلوچستان کے احمد خان بزدار نے جنگلی زیتون کی اس قسم کے ۱۰۰ کلو پھل میں سے این اے آر سی اسلام آباد میں ۸ لٹر تیل نکلوایا۔ اس تیل کا رنگ سرخی مائل ہے۔ ایران میں پہلے ہی اس نسل کے زیتون سے بڑے پیمانے پر تیل نکالا جاتا ہے۔ بلوچستان میں مقامی سطح پر پانچ سے سات تک جنگلی زیتون کی الگ الگ اقسام کا علم پایا جاتا ہے۔

کہتے ہیں ایک کشمیری کو پنجاب میں کشمیر میں ہونے والا ایک درخت نظر آیا تو وہ فرطِ انبساط سے اس سے لپٹ گیا۔ سوال صرف یہ رہ جاتا ہے کہ یونانیوں نے اپنے وطن کے اس محبوب پودے کو جس کے بغیر وہ باختر میں اداس رہتے تھے ہندوس میں اس بہتات میں دیکھ کر اس سے کیا فائدہ اٹھایا ہوگا۔

****

ملندا کا Buriton سے ملنے والا سکہ
http://buriton.org.uk/wp-content/uploads/2013/10/2006-coin-e1519383966184.jpg

ملندا کا سکہ جو ۲۰۱۸ء میں ویلز سے ملا۔
https://finds.org.uk/database/artefacts/record/id/922867

ملندا کا سکہ

Roche, 1992–3:6 Tenby Museum, Pembrokeshire

ڈیمیٹریس کا سکہ
https://finds.org.uk/database/artefacts/record/id/483299

اپالوڈوٹس
https://finds.org.uk/database/artefacts/record/id/573374

ہرمیوس
https://finds.org.uk/database/artefacts/record/id/634213

ہرمیوس
https://finds.org.uk/database/artefacts/record/id/885871

برطانیہ اور سکاٹ لینڈ سے ملنے والے ہندوس کے باختری حکمرانوں کے سکّے

ہندوس کے جنگلی زیتون

بحیرہ اسود کے سواحل پر وہ مقامات جہاں سے باختر کے یونانی حکمرانوں کے سکّے برآمد ہوئے

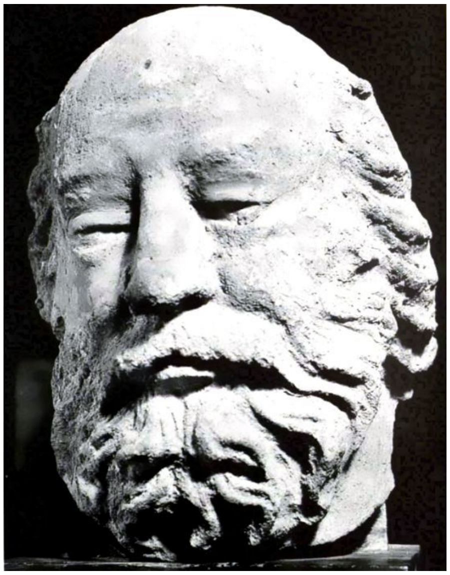
Head of an ascetic (Peshawer Museum)

Guidelines for Contributors

Journal of Archaeohistorical Studies is aimed at archaeologists and historians with particular interests in advancing their knowledge about archaeohistory of the Old World. This quarterly journal publishes original research on socio-religious and socio-cultural evolution across the Old World throughout the archaeohistorical time scale. Evolving horizons of settlement patterns, shifting mobility networks, and religio-socio-economic changes reflected through artifactual, written or structural developments are the primary focus areas of ASAS Roads and Religions Research Initiative, a project responsible for initiating this research journal. Journal of Archaeohistorical Studies provides a forum for archaeologists, ethnoarchaeologists, historians, and experts in the field of comparative religion studies from different academic backgrounds who share a common interest in the above-mentioned fields. Journal of Archaeohistorical Studies seeks to invite scholars to contribute original and unpublished manuscripts for showcasing research advancement in one or more than one aspect of archaeohistorical interests mentioned above.

Scope and contents

JAHS features peer-reviewed original research and review articles written in any language concerning the archaeohistorical studies of any region in Asia, Europe, and Africa. Please provide two abstracts and keywords in English and the language of your manuscript.

Review policy and procedure

Accepted papers are peer-reviewed by at least two experts. Peer-reviewers are selected for their knowledge and expertise and may include *JAHS* Editorial or Advisory Board .

Manuscript

Manuscripts can go to any length but it is Chief Editor"s right to edit them to a smaller size. Double spacing is not required. Footnotes should be avoided generally but can be added if inevitable. Manuscripts submitted to the *JAHS* should be comprised of an article title, Author"s names and contact details. (It should also include) abstract of 150-250 words, up to 5 keywords, suitable for online search purposes.

Authors are required to prove evidence that the substance of the research paper"s content has not been published previously and is not currently being considered for publication elsewhere. Contributors are required to submit the manuscript including illustrations in the form of electronic files. Line drawings should be created at a minimum of 1200 dpi and photographs should be scanned in at a minimum of 600 dpi.

Permissions

Authors are requested to obtain permission to reproduce photographs, drawings, tables, and any other copyrighted material.

Illustrations or photographs downloaded from the Internet can (be) accepted if there is no copyright issue involved and reference to the web link is given.

References

References and short citations can be provided with any internationally accepted and practiced.

ISSN-L 2702-1858
PRINT ISSN 2702-1858
ONLINE ISSN 2702-1378

The Quarterly

AASAAR

JOURNAL

OF

ARCHAEOHISTORICAL STUDIES

No.1Vol.2 January – March 2021

Published by
http://www.roadsandreligions.org/
***ASAS* Roads and Religions Research Initiative**
www.aasaar.org

ISSN-L 2702-1858
PRINT ISSN 2702-1858
ONLINE ISSN 2702-1378

The Quarterly

AASAAR

JOURNAL
OF
ARCHAEOHISTORICAL STUDIES

No.1Vol.2 January – March 2021

Published by
http://www.roadsandreligions.org/
***ASAS* Roads and Religions Research Initiative**
www.aasaar.org